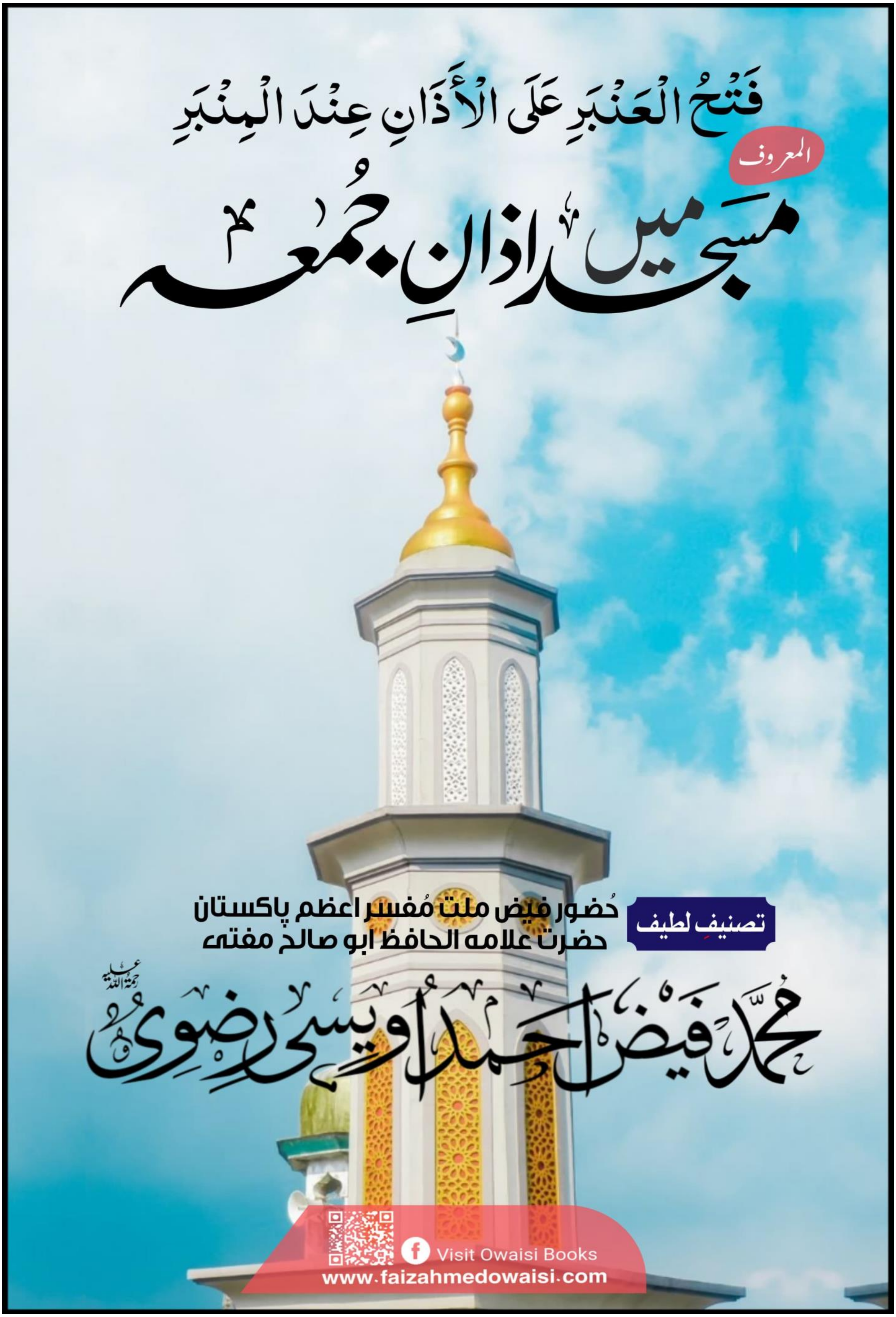


فَتْحُ الْعَنْبَرِ عَلَى الْأَذَانِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ

المعروف

مسجد میں اذانِ جمعہ

تصنیفِ لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی
محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ يَا اللّٰهُ، وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

پیشِ لفظ

جمعہ کے خطبہ سے پہلے اکثر لوگ بے خبری میں خطیب کے قریب مسجد میں اذان کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اُنہیں اِس فعل سے روکا جائے تو کہتے ہیں کہ اِس طرح پاکستان اور ہندوستان میں یہ اذان مُتّصلِ منبر (منبر کے ساتھ متصل یعنی قریب) عام شائع ہے یہ جواب نصّ حدیث سے جدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف ہے کسی بات کا لوگوں میں رواج ہو جانا کوئی حجّت (دلیل) نہیں۔ عوام میں ایک یہی کیا اور (دیگر) وقت کی اذانیں بھی بہت سے لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالانکہ وہاں تواُن کی تصریحات ائمہ کے مقابل بَینَ یَدَیہ (سامنے، روبرو) وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجّت ہو سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"الحمد للہ یہاں اِس سنّت کریمہ کا اِحیاء (زندہ کرنا، جاری کرنا) ربّ عزوجل نے اِس فقیر کے ہاتھ پر کیا میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذانِ ثانی بحمد اللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانۂ اقدس حضور پر نور سیّدِ عالم ﷺ و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم والحمد لله رب العلمين." [1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اما بعد! ہمارے دور میں بعض اہلسنّت بے خبری میں اور دیوبندی وہابی غیر مقلدین عمداً جمعہ کی اذانِ ثانی عمداً خطیب کے سامنے مسجد کے اندر دلواتے ہیں بالخصوص جب سے اسپیکر پر اذان شروع ہوئی ہے اذان اکثر مساجد کے اندر دی جاتی ہے یہ مکروہِ تحریمی اور گناہ ہے مؤذن پر بھی، امام و خطیب پر بھی اور مساجد کی کمیٹی کے ارکان پر بھی مِنجملہ اختلافی مسائل کے ایک مسئلہ دیوبندیوں اور وہابیوں اور ہمارے درمیان یہ بھی ہے بلکہ خود ہمارے اہلسنّت میں کے بعض اکابر نے بھی اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت سیّدنا شاہ احمد رضا خان بریلوی قُدّس سِرّہ سے اختلافِ رائے قائم رکھی اُن کے علاوہ اور بھی چند علماءِ اہلسنّت اور بھی تھے جن کے اَسماء تذکرہ علمائے اہلسنّت میں مذکور ہیں اُنہوں نے اعلیٰ حضرت کے خلاف رسائل بھی لکھے لیکن ناکام ہوئے، دیوبندیوں نے تو حسبِ عادت پوری طاقت صرف (خرچ) کر دی تھی لیکن رضوی قلم کی تاب نہ لا کر اپنے بِلوں میں ایسے گھسے کہ آج تک پھر اِس مسئلہ کو تحریراً نہ چھیڑنا اپنی عافیت سمجھی۔ (ہاں عمل وہی رہا جو پہلے تھا) اِس موضوع پر امام احمد رضا مُحدّث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اِس مسئلہ میں چند رسائل ہیں:

(۱) شمائم العنبر في ادب الهذاء امام الممبر (۲) اوفی اللمعه فی اذان الجمعه

[1] (فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ (۱۳۲۰ھ)، (اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی)، ۸/ ۵۰۰ تا ۵۰۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

آپ کے خُلفاء و تلامذہ نے بھی کئی رسالے لکھے اور دو چار پمفلٹ(Pamphlet) دیوبندیوں کی طرف سے شائع ہوئے جن کا آج تک کوئی نشان نہیں ملتا، خلیل احمد انبیٹھوی نے بھی ایک مبسوط بنام "تنشيط الاذهان في تحقيق محل الآذان" شائع کی لیکن رضوی شیروں کے ایک ہی وار سے ایسی پاش پاش ہوئی کہ آج خود دیوبندیوں کو بھی معلوم نہیں کہ ؎ وہ بھی تھی کسی زمانے میں

اس موضوع پر اہلسنّت کی تصانیف:

(۱) الشمائم العنبر في أدب الهذاء امام الممبر (عربی)(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ)

(۲) فتاوی رضویہ جلد دوم میں نفیس تحقیق (از اعلیٰ حضرت بریلوی)

(۳) وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند و الفتنه (مفتی اعظم ہند شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان نوری بریلوی قدس سرہ)

(۴) التحقيق الحسان في احكام الاذان (مولانا عرفان علی رضوی)

(۵) اجلى انوار الرضا بجواب القول الاظهر (حضرت حجّت الاسلام شاہ حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ)

طوالت کے خوف سے صرف اِن پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ اِن کے علاوہ اور بھی تصانیف شائع ہوئیں اُن میں بعض فقیر اویسی غفرلہ کے پاس موجود ہیں۔

فقیر نے بھی اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر محض توضیحاًلِلمسئلہ (مسئلے کی وضاحت کے طور پر) چند سُطور (مختصر تحریر) پیش کرنے کی جرات کی ہے تا کہ عوام مسجد کے اندر خطیب کے آگے اذان کہنے کی کراہت سے بچیں اور مُنصِف مزاج (عدل پسند، انصاف کرنے والے) اہلِ علم اُس سے فائدہ پائیں، اُس کا نام "فَتْحُ الْعَنْبَرِ عَلَى الْأَذَانِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ" رکھا۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، بِجَاهِ حَبِيبِكَ النَّبِيِّ الرَّؤُوفِ الرَّحِيمِ

الفقیر القادري ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

جامع مسجد سیرانی شریف، بہاول پور

۲۳ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

اذان کی تعریف: جاننا چاہیے کہ اذان عُرفِ شَرع میں ایک خاص قسم کا اعلان ہے جس کے لیے الفاظ مقرّر ہیں، یہ اعلان غائبین (جو موجود نہ ہوں، غیر حاضر افراد) کی اطلاع کے واسطے ہے کیونکہ اِعلامِ غائبین (غیر حاضر افراد کو اطلاع دینا) رُکن حَقیقَۃِ اَذان (اذان کی اصل حقیقت کالازمی حصہ) ہے۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: "اَلْأَذَانُ إِعْلَامٌ لِلْغَائِبِينَ، وَالْإِقَامَةُ إِعْلَامٌ لِلْحَاضِرِينَ"[2]

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان قبل الفجر، 138/5، دار إحياء التراث العربي، ودار الفكر – بيروت)
یعنی "اذان غیر حاضر لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے ہے، اور اقامت حاضر لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے۔"(نوری)

اذان غائبین کو آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اقامت حاضرین کی اطلاع کو ہے محض بے بنیاد اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ **ھدایہ**، **کافی**، **تبیین**، **عنایہ**، **بحر**، **در مختار** وغیرہا میں ہے:

وَاللَّفْظُ لِلْبَحْرِ: لِأَنَّ تَكْرَارَهُ مَشْرُوعٌ كَمَا فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ؛ لِأَنَّهُ لِإِعْلَامِ الْغَائِبِينَ. فَتَكْرَارُهُ مُفِيدٌ لِاحْتِمَالِ عَدَمِ سَمَاعِ الْبَعْضِ[3]

کیسی صاف تصریح ہے کہ جمعہ کی اذان بھی غائبین کی اطلاع کو ہے "**بحر**" میں ہے کہ اِس کا تکرار مَشْرُوع (شرعی طور پر جائز و مستحب) ہے جیسے اذانِ جمعہ میں کیونکہ وہ غائبین کو آگاہ کرنے کے لئے ہے اِس لئے اِس کا تکرار مفید ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ کسی نے اذان نہ سنی ہو اب سن لیں کے محقّقین فرماتے ہیں کہ حضور پرنور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانۂ اقدس میں نمازِ جمعہ کے واسطے صرف ایک ہی اذان یعنی اذانِ خطبہ تھی جو فِنائے مسجد میں یعنی دروازۂ مسجد پر خطیب کے مُقابل میں ہوتی تھی جبکہ بفضلِہٖ تعالی مسلمان کثیر ہوگئے۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ پاک میں ایک اور اذان اضافہ فرمائی جو آج کل اذانِ اوّل جمعہ کہلاتی ہے یہ اذان مسجد سے دور بازار میں دی جاتی تھی، ہشام اپنے زمانہ میں اِسی اذان کو مسجد کے منارے پر لے آیا مگر اذانِ خطبہ مسجد کے دروازے پر خطیب کے مُحاذ میں (یعنی سامنے) بدستور ہوتی رہی اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل اذانِ جمعہ وہی اذانِ خطبہ ہے جو خطیب کے مُحاذ میں ہوتی ہے پس اُس اذان کو مسجد کے اندر ممبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر جیسا کہ رواج ہوگیا ہے اِس بناء پر کہنا کہ یہ اذانِ خطبہ مثلِ اقامت کے حاضرین کی اطلاع کے واسطے ہے اِس اذان کو اذان کی تعریف اور اذان کے احکام ہی سے خارج کرنا ہے کہ اذان کے واسطے اعلامِ غائبین ضروری ہے اور یہ جب ہی ہو سکے گا کہ اذانِ خطبہ بھی فِنائے مسجد میں ہمارے نزدیک یہ زائد ہے کہ بَیْنَ یَدَیِ الخطیب یعنی خطیب کے مُحاذ میں ہو، بس باقی وہی احکام ہیں جو اور پنج وقتہ اذانوں کے واسطے ہیں۔

احکامِ اذان: فرضِ پنجگانہ کہ اُنہیں میں جمعہ بھی ہے جب جماعت مستحبہ کیساتھ مسجد میں وقت پر ادا کئے جائیں تو اُن کے لئے اذان سنّتِ مؤکدہ ہے اور اُس کا حکم مثل واجب کے ہے کہ اگر اذان نہ کہی جائے تو وہاں کے سب لوگ گناہگار ہوں گے، [4] سنّت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ کہی جائے اور بلند آواز سے کہے۔[5] (بحر) مگر طاقت سے زیادہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔[6] (عالمگیری) اذان مینارہ پر کہی جائے یا اور کہیں خارجِ مسجد اور مسجد میں اذان نہ کہے۔[7] (خلاصہ عالمگیری) مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے۔[8] (فتح القدیر طحطاوی علی مراقی الفلاح، فتاوی قاضی خاں، فتاوی خلاصہ، خزانۃ المفتین، بحر الرائق، شرح نقایہ

---

3) (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري. كتاب الصلاة. الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر. أذان الجنب وإقامته وأذان المرأة والفاسق والقاعد والسكران. 278/1. دار الكتاب الإسلامي)

4) (بہار شریعت، اذان کا بیان، 464/3، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

5) (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري. كتاب الصلاة. الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر. 268/1. تصوير: دار الكتاب الإسلامي)

6) (الفتاوى العالمكيرية = الفتاوى الهندية. كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا. الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان. الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما. 55/1. المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر (وصوّرتها دار الفكر بيروت وغيرها). الطبعة: الثانية. 1310 هـ)

7) (الفتاوى العالمكيرية = الفتاوى الهندية. كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا. الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان. الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما. 55/1. المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر (وصوّرتها دار الفكر بيروت وغيرها). الطبعة: الثانية. 1310 هـ)

8) (فتح القدير للكمال بن الهمام. كتاب الصلاة. باب الأذان. 246/1. شركة مكتبة ومطبعة مصفى البابي الحلبي وأولاده بمصر. الطبعة: الأولى. 1389 هـ 1970 م)

علامه بر جندی، غنیه شرح منیه) یہ حکم ہر اذان کے لئے ہے، فقہ کی کتاب میں کوئی اذان اِس حکم سے مستثنیٰ (خارج) نہیں، پس اذانِ ثانی جمعہ بھی اِس حکم میں داخل ہے۔ امام اتقانی اور امام اِبن الہمام نے یہ مسئلہ خاص بابِ جمعہ میں لکھا۔[9] یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسجد میں اذان کہنے کا یہ مطلب ہے کہ عین مسجد یعنی مَوضَع صلاۃ (نماز کی جگہ) میں اذان کہنا ممنوع (منع) ہے اور مسجد سے باہر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مَوضَع صلاۃ سے باہر کسی جگہ فِنائے مسجد میں ہو البتہ اذانِ خطبہ میں ہمارے نزدیک مُحاذاتِ خطیب (خطیب کے سامنے برابر ہونا) بھی سنّت ہے۔ لہٰذا مَوضَع صلاۃ (نماز کی جگہ) کے علاوہ ہر وہ جگہ جو فِنائے مسجد میں مُحاذی منبر ہو محلِّ اذانِ خطبہ ہے خواہ دروازہ ہو یا کوئی اور جگہ، جو جگہ محلِّ اذان ہو وہ جگہ مسجد بڑھالینے سے بدستور اُن کے واسطے مستثنیٰ رہے گی یعنی جو جگہ پہلے سے اذان کے لئے مُقرر تھی اگر اُس کے اِردگرد مسجد کی توسیع کرلی گئی (مسجد کا رقبہ بڑھالیا گیا) اور وہ محلِّ اذان اب مَوضَع صلاۃ کے اندر آگیا تو اُس محل میں اذان بلا کراہَت جائز رہے گی اور صرف اتنی جگہ ہمیشہ خارجِ مسجد مثلِ سابق سمجھی جائے گی۔

مسجد کا اِطلاق: مسجد کے دو اِطلاق ہیں:

(۱) مَوضَعِ صلاۃ پس فصیلیں، دیواریں، دروازہ سب اِس معنی پر مسجد سے خارِج ہیں اور اُس کے تابع۔

(۲) چار دیواری مسجد معہ مافیہ (اس میں موجود تمام چیزوں سمیت) بایں معنیٰ (اس مفہوم میں) وہ سب داخل ہیں، خود قرآنِ عظیم میں یہ دونوں محاورے موجود: "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ"[10] اور "وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ"[11] یہ بناء (عمارت) پر موقوف نہیں، دیکھو حدیثِ ترمذی و ابنِ ماجہ:

"عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ، إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ "[12]

ہدم بناہی (عمارت کے علاوہ) کے لئے ہے بلکہ یہاں تیسرا اطلاق اور ہے، فِنائے مسجد کو بھی مسجد کہتے ہیں ولہٰذا مُعتکِف اُس میں جا سکتا ہے اور اُس وقت بھی وہ مُعتکِف فی المسجد کہلائے گا لہٰذا (اسی لئے) منارہ پر جو اذان ہو اُسے یہی کہیں گے مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی۔

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص197، دار الكتب العلمية بيروت–لبنان، الطبعة: الطبعة الأولى 1418 هـ 1997 م)

(فتاوى قاضيخان في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، كتاب الصلاة، مسائل الأذان، 76/1، دار الكتب العلمية بيروت–لبنان، 2009م)

(خزانة المفتين قسم العبادات، كتاب الصلاة، فصل في الأذان، ص343، دراسة وتحقيق: د. فهد بن عبد الله بن عبد الله القحطاني، العام الجامعي: 1441 هـ 2021م)

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري، كتاب الصلاة، الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر، 268/1، تصوير: دار الكتاب الإسلامي)

(الحلبي الكبير المسمى (غنية المتملي في شرح منية المصلي لمحمد الكاشغري)، سنن الصلاة، فصل في السنن، 145/2، دار الكتب العلمية بيروت–لبنان، 2020م)

9) (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، اذان کا بیان، مسئلہ 34، 3/469، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

10) التوبة:18 **ترجمہ:** اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے

11) الحج: 40 **ترجمہ:** اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔

12) (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، باب ما جاء أن الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام، 131/2، الحديث317، دار الكتب العلمية)

(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب المواضع التي تكره فيها الصلاة، 246/1، الحديث745، المكتبة العلمية)

"بدائع" پھر "ردالمحتار" میں ہے: لَوْ صَعِدَ الْمُعْتَكِفُ الْمِئْذَنَةَ لَمْ يَفْسُدْ بِلاَ خِلاَفٍ، لِأَنَّهَا مِنْهُ، لِأَنَّهُ يُمْنَعُ فِيهَا مِنْ كُلِّ مَا يُمْنَعُ فِيهِ مِنَ الْبَوْلِ وَنَحْوِهِ، فَأَشْبَهَتْ زَاوِيَةً مِنْ زَوَايَا الْمَسْجِدِ۔[13]

یعنی اگر مُعتکِف منارہ پر چڑھے تو اُس کا اعتکاف بلا خلاف فاسد نہ ہو گا اگر چہ دروازۂ مسجد کے باہر ہو کیونکہ منارہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اِسی لئے اِس سے روکا جائیگا اُس میں پیشاب کرنا منع ہے تو یہ مسجد سے کناروں میں کے مشابہ ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ اذان ایک طرح اعلان ہے اور اعلان مسجد میں مکروہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں تصریح آئی ہے جسے فقیر آئندہ اَوراق (صفحات) میں عرض کریگا۔ کیونکہ مسجد عبادت کے لئے ہے اُس میں دُنیوی اُمور سرانجام دینا کراہت سے خالی نہیں اِس لئے اُس میں دنیوی باتیں مکروہ ہیں اور تجارتی اُمور بھی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: "جب کسی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو: خدا تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔" (ترمذی دارمی) یہ تقریر اور آنے والے باب نمبر ۱ میں اَحادیث کے جوابات غیر مقلّدوں کے لئے کافی ہیں اور دیوبندی اور بریلوی حضرات تو خود کو حنفی کہلواتے ہیں اُن کے لئے عرض ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے فتاویٰ قاضی خاں و فتاوی خلاصه و فتح القدیر ونظم شرح نقایه برجندی و بحر الرائق و فتاوی ہندیه و طحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح (وضاحت) فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔[14]

(فتاوی رضویہ جلد ۳، صفحہ ۷۷۰)

مزید عبارات باب دوم میں آئینگی ان شاءاللہ۔

اِن دلائل کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر وہ جانے اور اُس کا خدا تعالیٰ، ہمارا کام ہے دلائل سے سمجھانا وہ ہم کر چکے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

باب نمبر ۱: [احادیثِ مبارکہ]

حدیث نمبر ۱: سنن ابی داؤد شریف میں بسند حسن مروی ہے:

حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: كَانَ يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، وَكَذَلِكَ فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ.[15]

یعنی رسول اللہ ﷺ جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور ﷺ کے رُوبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یوں ہی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔

فائدہ: اِس حدیثِ جلیل (عظیم حدیث) نے واضح کر دیا کہ "روبروئے امام" (امام کے سامنے) "پیش منبر" (منبر کے آگے) کے کیا معنی ہیں، اور یہ کہ زمانۂ رسالت و خلفائے راشدینسے کیا متوارث (نسل در نسل منتقل شدہ) ہے۔

---

13) (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، مسئلہ 1058 تا 1059، 7/451 تا 455، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

14) (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/497 تا 500، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

15) (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/500 تا 506، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تبصرہ اویسی غفرلہ: فقہاء کرام نے اِس حدیث کے "علی باب المسجد" سے اِستدلال (دلیل اخذ) کیا ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ اور خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام اور ائمّہ مجتہدین کا عمل یہی تھا کہ اذانِ جمعہ دروازۂ مسجد (مسجد کے دروازے) پر ہوتی تھی، اور بابُ المسجد (مسجد کا دروازہ) من وجہ (ایک اعتبار سے) خارج از مسجد (مسجد کے باہر) ہے جیسا کہ مقدّمہ میں فقیر نے مسجد کی دو حیثیتیں عرض کی ہیں۔

اور مخالفین نے حدیث شریف کے جملہ "بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" سے دھوکہ کھایا ہے اِس کے جوابات آئینگے۔ (ان شاء الله)

حدیث نمبر ۲: حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی گُمی ہوئی چیز مسجد میں تلاش کرتا ہے، تو کہو کہ خدا اُس کو تیرے پاس واپس نہ کرے کہ مسجدیں اِس لئے نہیں بنیں۔[16] (رواہ مسلم)

فائدہ: چونکہ مسجد میں گُم شدہ کے لئے اعلانیہ کہنا پڑتا ہے کہ میری فلاں شے گم ہوگئی ہے کسی کے پاس ہو یا اُس کا اُسے علم ہو تو۔۔۔ یہ ایک قسم کا اعلان ہے اور مسجد میں اعلان مکروہ ہے اور مقدّمہ میں فقیر نے ثابت کیا ہے کہ اذان بھی اعلان ہے اِسی لئے مسجد میں ہر طرح اذان مکروہ ہے خواہ جمعہ کی ہو یا نمازِ پنجگانہ۔

نکتہ: اِس قاعدہ پر تمام اُمورِ دنیویہ کا ہر قسم کا کام مکروہ ہے۔ چند مسائل بطور نمونہ حاضر ہیں:۔

(۱) مسجد کو راستہ بنانا یعنی اُس میں سے ہو کر گزرنا جائز ہے اگر اُس کی عادت کرے تو فاسق ہے۔ اگر کوئی اِس نیّت سے مسجد میں گیا وَسط (درمیان) میں پہنچا تھا کہ نادِم (شرمندہ) ہوا تو جس دروازہ سے اُس کو نکلنا تھا اُس کے سوا دوسرے دروازہ سے نکلے یا وہیں نماز پڑھے پھر نکلے اور وضو نہ ہو تو جس طرف سے آیا ہے واپس جائے۔[17] (در مختار، ردالمحتار)

یہ کراہت اِس لئے ہے کہ یہ دنیوی کام ہے۔

(۲) مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور اُس سائل کو دینا بھی منع ہے۔ مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرنا منع ہے۔ جیسا کہ اُوپر حدیث گزری۔ یہ مکروہ اِسی لئے ہے کہ دنیوی کام ہے۔[18]

(۳) مسجد میں شعر پڑھنا ناجائز ہے البتہ اگر وہ شعر حمد و نعت و منقبت و وعظ و حکمت کا ہو تو جائز ہے۔[19] (در مختار)

(۴) مسجد میں کھانا، پینا، سونا، مُعتکِف اور پردیسی کے سوا کسی کو جائز نہیں لہٰذا جب کھانے پینے وغیرہ کا ارادہ ہو تو اعتکاف کی نیّت کر کے مسجد میں جائے کچھ ذکر و نماز کے بعد اب کھا پی سکتا ہے اور بعضوں نے صرف مُعتکف کا اِستثناء کیا اور یہی راجح (زیادہ مضبوط و پسندیدہ)، لہٰذا غریب الوطن (وطن سے باہر رہنے والا) بھی نیّتِ اعتکاف کرے کہ خلاف (مخالفت، یعنی اصول کے خلاف عمل) سے بچے۔[20] (در مختار و صغیری)

---

16 (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 21، 3/647، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

17 (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 5، 3/645، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

18 (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 21، 3/647، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

19 (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 22، 3/647، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

20 (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 23، 3/648، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(۵) بیع وشرا (خرید و فروخت) وغیرہ ہر عَقدِ مبادلہ (ادلے بدلے کا معاہدہ، یعنی لین دین کا ہر معاملہ) مسجد میں منع ہے صرف مُعتکِف کو اجازت ہے جبکہ تجارت کے لئے خرید تا بیچنا نہ ہو بلکہ اپنی اور بال بچوں کی ضرورت سے ہو اور وہ شے مسجد میں نہ لائی گئی ہو۔[21] (در مختار)

(۶) مُباح (جائز) باتیں بھی مسجد میں کرنے کی اجازت نہیں اور نہ آواز بلند کرنا جائز۔[22] (در مختار و صغیری)

افسوس کہ اِس زمانے میں مسجدوں کو لوگوں نے چوپال (بیٹھک) بنا رکھا ہے یہاں تک کہ بعضوں کو مسجدوں میں گالیاں بکتے دیکھا جاتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۷) درزی کو اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر اُجرت پر کپڑے سئے ہاں اگر بچوں کو روکنے اور مسجد کی حفاظت کے لئے بیٹھا تو حَرَج نہیں۔ یوں ہی کاتب کو مسجد میں بیٹھ کر لکھنے کی اجازت نہیں جب کہ اُجرت پر لکھتا ہو اور بغیر اُجرت کے لکھتا ہو تو اجازت ہے جبکہ کتاب کوئی بُری نہ ہو۔ یو نہی مُعلّم اَجیر کو مسجد میں بیٹھ کر تعلیم کی اجازت نہیں اور اجیر نہ ہو تو اجازت ہے۔[23] (عالمگیری)

فائدہ: یہ اور اِس طرح دنیوی اُمور مسجد میں مکروہ ہیں اور اذان سے بھی نمازیوں کو بلانا مقصود ہے اگر چہ وہ ذکر کے الفاظ پر مشتمل ہے لیکن اصلی غرض وغایت تو مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانا ہے اور یہ کام بھی ہے تو دین لیکن دوسروں کو اِس طرف بلانا ہے اِسی لئے اُس کی اصلی غرض وغایت دنیوی کام ہے۔ اِسی لئے مسجد میں اُس کا بجالانا مکروہ ہے جس پر تمام فُقہاء کا اتّفاق ہے اور یہ پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ کی اذان بھی اعلان ہی ہے اِس لئے مسجد میں اذان خواہ نمازِ پنجگانہ ہو یا جمعہ ہر اذان مسجد میں مکروہ ہے۔ جو لوگ جمعہ کی اذان کو مستثنیٰ کرتے (الگ قرار دیتے) ہیں وہ دلیل پیش کریں اور جن روایتوں سے اُنہوں نے خود اِستدلال کیا ہے وہ غلط ہے اِس لئے کہ یہ مجتہدین نہیں مُقلّدین ہیں مُقلّدین کو اجتہاد کا حق نہیں جب تک اُنہیں اُصولِ اجتہاد حاصل نہ ہوں اور اُن کا یہ اجتہاد دلائل کی روشنی میں غلط بھی ہے اِسے ہم آگے چل کر عرض کرینگے۔ ان شاءاللہ

باب نمبر ۲ [: عباراتِ فقهاءِ کرام رحمهم اللّٰه تعالیٰ]

(۱) فتاوی خانیه میں ہے: يَنْبَغِي أَنْ يُؤَذَّنَ عَلَى الْمِئْذَنَةِ أَوْ خَارِجَ الْمَسْجِدِ، وَلَا يُؤَذَّنَ فِي الْمَسْجِدِ[24]

یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر دینی چاہیے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔

(۲) فتاوی خلاصه و(۳) فتاوی عالمگیری (۴) فتح القدير میں ہے:

الإِقَامَةُ فِي الْمَسْجِدِ لَا بُدَّ، وَأَمَّا الأَذَانُ فَعَلَى الْمِئْذَنَةِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَفِي فِنَاءِ الْمَسْجِدِ، وَقَالُوا: لَا يُؤَذَّنُ فِي الْمَسْجِدِ[25]

---

[21]) (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 25، 3/648، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

[22]) (بہارِ شریعت، کتاب الصلاۃ، احکام مسجد کا بیان، احکام فقہیہ، مسئلہ 26، 3/648، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

[23]) (الفتاوى العالمكيرية = الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا، الباب الثامن في صلاة الوتر، 110/1، المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر (وصَوّرتها دار الفكر بيروت وغيرها)، الطبعة: الثانية، 1310 هـ)

[24]) (فتاوى قاضيخان في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، كتاب الصلاة، مسائل الأذان، 76/1، دار الكتب العلمية بيروت – لبنان، 2009م)

[25]) (الفتاوى العالمكيرية = الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا، الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، 55/1، المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر (وصَوّرتها دار الفكر بيروت وغيرها)، الطبعة: الثانية، 1310 هـ)

(فتح القدير للكمال بن الهمام، كتاب الصلاة، باب الأذان، 246/1، شركة مكتبة ومطبعة مصفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة: الأولى، 1389 هـ 1970 م)

یعنی تکبیر تو ضرور مسجد میں ہو گی۔ رہی اذان وہ منارے پر ہو۔ منارہ نہ ہو تو بیرونِ مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو۔ عُلماء فرماتے ہیں مسجد میں اذان نہ ہو نیز خود باب الجمعہ میں فرمایا: "هُوَ ذِكْرُ اللهِ فِي الْمَسْجِدِ، أَيْ: فِي حُدُودِهِ، لِكَرَاهَةِ الأَذَانِ فِي دَاخِلِهِ"[26]

یعنی وہ اللہ تعالی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حَوالی مسجد (مسجد کے ملحقہ حصہ) کے اندر اِس لئے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔

(۵) شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبد العلی میں ہے:

فِي إِيرَادِ الْمِئْذَنَةِ إِشْعَارٌ بِأَنَّ السُّنَّةَ فِي الأَذَانِ أَنْ يَكُونَ فِي مَوْضِعٍ عَالٍ، بِخِلَافِ الإِقَامَةِ، فَإِنَّ السُّنَّةَ فِيهَا أَنْ تَكُونَ فِي الأَرْضِ، وَإِضَافَتُهُ إِشْعَارٌ بِأَنَّهُ لَا يُؤَذَّنُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَدْ ذَكَرَ فِي الْخُلَاصَةِ أَنَّهُ يَنْبَغِي...إِلَخ، ا.ھ. بِاخْتِصَارٍ[27]

یعنی صدر الشریعہ قُدّس سِرّہ نے اذان کے لئے منارے کا جو ذکر فرمایا اُس میں تنبیہ ہے اِس پر کہ اذان میں سنّت یہ ہے کہ بلند جگہ پر ہو بخلاف تکبیر کہ اُس میں سنّت یہ ہے کہ زمین پر ہو۔ نیز اُس میں تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ دی جائے "خلاصه" میں اُس کی ممانعت کی تصریح (واضح حکم) ہے۔

(۶) بحر الرائق میں ہے:

وَفِي الْقُنْيَةِ: وَيُسَنُّ الأَذَانُ فِي مَوْضِعٍ عَالٍ، وَالإِقَامَةُ عَلَى الأَرْضِ، وَفِي أَذَانِ الْمَغْرِبِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ. ا ھ. وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يُسَنُّ الْمَكَانُ الْعَالِي فِي أَذَانِ الْمَغْرِبِ أَيْضًا كَمَا سَيَأْتِي. وَفِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ: وَيَنْبَغِي لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يُؤَذِّنَ فِي مَوْضِعٍ يَكُونُ أَسْمَعَ لِلْجِيرَانِ، وَيَرْفَعَ صَوْتَهُ، وَلَا يُجْهِدَ نَفْسَهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِذَلِكَ. وَفِي الْخُلَاصَةِ: وَلَا يُؤَذِّنُ فِي الْمَسْجِدِ۔[28]

یعنی "قنية" میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین میں ہونا سنّت ہے اور مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ وہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی پر ہونا سنّت ہے اور "سراج الوہاج" میں ہے اذان وہاں ہونی چاہیے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے اور "خلاصه" میں فرمایا کہ مسجد میں اذان دے۔

اُسی میں بعد چند ورق کے ہے: "لِأَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَكُونَ الأَذَانُ فِي الْمَنَارَةِ، وَالإِقَامَةُ فِي الْمَسْجِدِ"[29]

یعنی سنّت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔

(۷) حاشیہ طحطاوی میں ہے:

وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذَّنَ فِي الْمَسْجِدِ، كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ النَّظْمِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ مَكَانٌ مُرْتَفِعٌ لِلأَذَانِ، يُؤَذَّنُ فِي فِنَاءِ الْمَسْجِدِ، كَمَا فِي الْفَتْحِ.[30]

---

[26] (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/497 تا 500، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[27] (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/497 تا 500، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[28] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، 268/1، دار الكتاب الإسلامي)

[29] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة، 276/1، دار الكتاب الإسلامي)

[30] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص 197 إلى 198، دار الكتب العلمية بيروت – لبنان، الطبعة: الطبعة الأولى 1418 ھ 1997 م)

یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ "قهستاني" میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ "فتح القدير" میں ہے۔

فائده: یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید (کسی شرط یا پابندی کے بغیر عام طور پر بیان کیے گئے) ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ (قابلِ اعتماد عبارات) میں اذانِ ثانی جمعہ کا اِستثناء (الگ کرنے کا ثبوت) دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا۔ رہا لفظ "بَيْنَ يَدَيِ الإِمَامَةِ" یا "بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ" سے اِستدلال وہ محض ناواقفی ہے، اِن عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذانِ ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے امام کے مواجہہ (روبرو) میں ہو اِس سے یہ کہاں سے نکلا کہ امام کی گود میں منبر کی کگر (کنارہ) پر ہو جس سے داخلِ مسجد ہونا اِستنباط کیا جائے (مطلب نکالا جائے) اِس کی تحقیق آتی ہے۔

تحقيق بين يدى: قرآن وحدیث اور کُتُبِ لغت اور نحو ومعانی و محاورات عرب وعجم اور عُرفِ عام میں لفظ "بَيْنَ يَدَيِ" سمتِ مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے جو وقتِ طلوع مواجہۂ مشرق (مشرق کی طرف رخ کیے ہوئے) یا ہنگامِ غروب (سورج ڈوبنے کے وقت) مستقبلِ مغرب (مغرب کی طرف رخ کیے ہوئے) کھڑا ہو وہ ضرور کہے گا کہ آفتاب میرے سامنے ہے یا فارسی میں: "مہر رو بردی من ست" یا عربی میں: "الشَّمْسُ بَيْنَ يَدَيَّ" حالانکہ آفتاب اُس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ "[31] اللہ سبحانہ وتعالی جانتا ہے جو کچھ اُس کے سامنے ہے یعنی آگے آنے والا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے یعنی گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی و مستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل (ہمیشہ سے) تا ابد (ہمیشہ تک) سب اُس میں داخل ہے۔

(۲) ملائکہ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا: "لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ "[32] اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے تمام ماضی و مستقبل و حال سب کو شامل (محیط) ہے ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظرِ قرآن حالیہ ایک نوع قُرب ہر شے کے لائق مُستفاد ہوتا ہے نہ اتّصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو۔

قال الله تعالى: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ الآیہ [33]

یعنی اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتی بارانِ رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب اُنہوں نے اُبھارے بوجھل بادل ہم نے اُسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اُتارا اُس سے پانی۔

"بَيْنَ يَدَيِ" نے قُربِ مطر (بارش کے قریب ہونے) کی طرف اشعار (اشارہ) فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اُترے بلکہ چلیں اور بادل اُٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے۔ و قال تعالى: "اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ "[34] یعنی محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ایسے نہیں

---

[31]) البقرة:255 **ترجمه:** وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے

[32]) مریم: 64 **ترجمه:** اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے

[33]) الاعراف:57

[34]) سبا: 46

جیسا کہ اے کافرو تم گمان کرتے ہو، وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈرسنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔ آیت نے قُربِ قیامت کا اشارہ فرمایانہ یہ کہ بِعثت کے برابر ہی قیامت ہے پھر اُس کے لائق ہے۔ برسہابرس (کئی سال) گزر گئے اور ہُنوز (ابھی بھی) وقت باقی ہے پس جو اذان درِ مسجد (مسجد کے دروازے) پر یا فِنائے مسجد (مسجد کے صحن) کی کسی زمین میں جہاں تک حائل (رکاوٹ) نہ ہو مُحاذاتِ امام (امام کے بالمقابل) میں دی جائے اُس پر ضرور "بَيْنَ يَدَيْهِ" صادق ہے بلاشبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوئی اور اِسی قدر درکار ہے۔[35] (فتاوی رضویہ مخلصا)

خلاصہ یہ کہ "بَيْنَ يَدَيْنِ" سے مراد وِجہتِ مقابل (سامنے کی سمت) ہیں کہ دونوں بازؤں کی سمت پر ہیں اور چونکہ یہ دونوں جہتیں جو بازؤں کی سمت پر چلی گئیں ہیں عرش بریں (اللہ کے بلند ترین عرش) کی مُنتہی (انتہاء) تک محدود نہیں اِس لئے قریباً منہ (تقریباً چہرے کے سامنے) سے اُس کی تفسیر کرنی پڑی پھر قُرب (نزدیکی) خود وُسعت وسیع (کشادگی) رکھتا ہے جہاں تک نظر پہنچے سب قریب ہے کہ قُرب شرط عادی ابصار ہے۔[36] کیا قریب کے معنی مُتّصل (بلکل جُڑاہوا) کے ہیں؟ کیا قُرب اَمرِ اضافی نہیں؟ کیا ہر حاضر شاہد قریب نہیں؟ یاربّ العزّۃ نے جو قیامت کو قریب فرمایا: "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ"[37] بلکہ حساب و کتاب کو قریب فرمایا: "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ"[38] وہ معاذ اللہ غلط ہے؟ جب بحکم تصریحات فقہاء کرام معتمدینِ مذہب مسجد میں اذان ممنوع ہے اور حُدودِ مسجد سے خارج اذان عقلاً بھی ممنوع، تو ثابت ہوا کہ قریباً منہ کے یہ معنی ہیں کہ اذان مسجد میں دی جائے، مگر خارجِ مسجد یہاں "بَيْنَ يَدَيْهِ" اور "عند" اور "قریب" سب اِسی قُرب پر دلالت کر رہے ہیں جو شرعاً و عُرفاً حق مؤذن ہے یعنی لبِ صحنِ مسجد صرف اِس مسئلہ پر امام اَہلِ سنّت رضی اللہ عنہ کا رسالہ "شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر" تحریر فرمایا یہ رسالہ مبارکہ عربی زبان میں ہے جس پر سترہ (۱۷) عُلماءِ مکّہ معظمہ کی تصدیق ہے کہ اذانِ خطبہ فِنائے مسجد میں ہونا چاہیے مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ قاضی القُضّاۃ حضرت مولانا عبد اللہ سراج اِس رسالہ کی تصدیق میں فرماتے ہیں کہ باطل (بے بنیاد) ہے تمسّک مخاصمین (دلیل پکڑنا مخالفین) کا فعلِ اہلِ مسجد حرام (اہلِ مسجد حرام کے عمل) سے بوجہِ غفلت کے اُن کے حقیقت حال کے اور نسبت ارتکاب مُکابرہ اور جِدال کے کیونکہ مؤذن مسجد حرام میں اذانِ خطبہ دیتا ہے چاہِ زمزم پر کنارۂ مطاف (طواف کے کنارے) کے سامنے امام کے اور ایسے ہی مسجدِ نبوی میں اذان ہوتی ہے مَئذنۂ مخصوصہ (وہ مخصوص جگہ جہاں سے اذان دی جاتی ہے) پر جو تعمیر مسجد نبوی کے وقت صرف اِسی مقصد کے لئے بنایا گیا جو من وجہ مسجد کے حکم سے خارج ہے جیسا کہ مقدّمہ میں فقیر نے عرض کیا۔

جو لوگ مکّہ معظمہ یا مدینہ منوّرہ کی اذان سے دلیل پکڑتے ہیں وہ حقیقتِ حال سے بے خبر ہیں کیونکہ اُن دونوں جگہ اذانِ خطبہ کے اِطلاق اول کی بناء پر خارجِ مسجد ہوتی ہے۔

باب نمبر ۳: [سوالات وجوابات]

---

35) (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/500 تا506، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

36) کسی چیز کو دیکھنے کے لیے عام طور پر اُس کا قریب ہونا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ نظر عام طور پر قریب کی چیزوں کو زیادہ واضح طور پر دیکھتی ہے۔ (نوری)

37) القمر: 1 **ترجمہ**: پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند

38) الأنبیاء: 1 **ترجمہ**: لوگوں کا حساب نزدیک

حق تو یہ تھا کہ مخالفین دلائل قرآن واَحادیث اور فقہی عبارات سے پیش کرتے جیسے ہم نے دلائل پیش کئے، لیکن اِس کے برعکس اُنہوں نے عقلی ڈھکوسلے اور اَحادیث و قرآن کے مضامین سے اپنی من مانی باتیں اپنے مُدّعا میں پیش کی ہیں جیسا کہ ناظرین سوالات سے پڑھیں گے مثلاً اُن کے چند سوالات ملاحظہ ہوں:۔

سوال: مسجد میں ہر اذان دینا جائز ہے، خواہ وہ اذان پنج وقتہ ہو یا اذانِ خطبہ اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کا مسجد میں ہونا مکروہ نہیں؟

جواب: فقہائے کرام کے اَقوال میں صاف صاف موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ یہ وہم کہ اذان ذکر اللہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں مکروہ نہیں، لاعلمی پر مبنی ہے اذان کہ جس کے واسطے رَفعِ صَوت (آواز بلند کرنا) لازمی ہے اور جو غائبین کی اطلاع کے واسطے ایک خاص قسم کا اعلان ہے ہرگز ہرگز ذکر خالص نہیں امام عینی "بنایہ" میں تصریح فرماتے ہیں کہ اذان ذکر خالص نہیں اور ایسا ہی "بحر الرائق" و "صلاۃ مسعودی" میں ہے پس مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رَفعِ صَوت بذکر (ذکر کو بلند آواز) سے منع ہے اور اِس کی ممانعت "در مختار" و مسلک متقسط وبزازیہ وغیرہ میں مُصرّح (واضح طور پر مذکور) ہے، اِسی لئے مسجد میں اذان کہنا دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے۔

تنبیہ: یہ یادرہے کہ مسجد میں اذان کہنے کا یہ مطلب ہے کہ مَوضَعِ صلاۃ میں اذان نہ کہی جائے پس منارہ، فصیل، دیوارِ مسجد، دروازہ پر اذان کہنا بلا کراہت جائز ہے۔

سوال: آیہ کریم " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ الآیة "[39] (البقرۃ: 114) یہ آیت اِس پر دلالت کرتی ہے کہ مساجد محلِّ ذکر اللہ اور عبادات کی جگہ ہیں، عام اِس سے کہ اذان ہو یا نماز گویا کہ مسجد میں اذان کہنے کو منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا ہے اور یہ بحکمِ قرآنِ عظیم سب سے بڑا ظلم ہے؟

جواب: اِس تقدیر پر معاذ اللہ توبہ توبہ خاک بدہنِ گستاخ فقہائے کرام جنہوں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے سب سے بڑے ظالم ٹھہرے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یادرہے کہ مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں بیّن (واضح) فرق ہے علاوہ اِس کے اذان اعلامِ غائبین ہے آواز بلند کئے بغیر ناممکن، تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رَفعِ صَوت بذکر سے منع ہے نیز اذان ذکرِ خالص نہیں پس مَوضَعِ صلاۃ کیونکر مثل عبادات کے محل اذان ہو سکتا ہے۔ یعنی اذان خالص صرف ذکر نہیں بلکہ اُس کی اصل غرض وغایت (مقصد) اعلان ہے ذکر تبعاً (ضمنی طور پر) ہے اور احکام کا تَرَتُّب (نافذ ہونا) اصل پر ہوتا ہے نہ کہ تابع (ضمنی چیز، جو اصل کے ساتھ ہو) پر۔

سوال: مقامِ ابراہیم پر حج کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ کہ جس وقت اعلان پکارا گیا تھا وہ مقام مسجد الحرام شریف کے اندر تھا لہٰذا مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز ہی نہیں بلکہ سنّتِ ابراہیمی ہے؟

---

39) (البقرۃ:114) **ترجمہ:** اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لیے جانے سے

جواب نمبر۱: حضور پُر نور شافعِ یوم النشور ﷺ کے عہد (زمانہ) مبارک میں مقامِ ابراہیم مُلحَق بجدارِ کعبہ (کعبہ کی دیوار سے متصل یا قریب) ہونے سے یہ کیونکر لازم آیا کہ وہ عہدِ ابراہیمی صلوۃ اللہ وسلامہ علی نبیناوعلیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے) میں وقتِ اعلانِ حج بھی اُسی جگہ تھا۔

جواب نمبر ۲: "تاریخ قبطی" سے اِس پر استناد (دلیل پکڑنا) کیونکر صحیح ہوا اُس کے کون سے لفظ سے اِس طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ کیا رفع تعمیر کے لئے مقام کا وہاں لے جانا اِس پر دلالت کرتا ہے؟ ہاں اِستناد توجب صحیح تھا جبکہ اُس تاریخ میں قُرب لہ المقام کے بعد یہ بھی ہوتا کہ جب سے وہ اب تک وہیں رہا اور عہد ابراہیمی میں وہاں سے نہ ہٹایا گیا۔ وقتِ اعلان متُصل جدارِ کعبہ رکھا تھا۔ کیا "تاریخ قبطی" میں کہیں اِس کی تصریح ہے؟

جواب نمبر ۳: اگر یہ مان بھی لیں تو وہ شریعتِ ابراہیمی تھی اُس میں اذان فی المسجد (مسجد میں اذان) جائز ہیں مگر شریعتِ محمدیہ ﷺ میں مکروہِ تحریمی ہے شَرائع مِن قَبلِنا (پچھلی امتوں کے شرعی احکام) ہم پر حجّت (شرعی دلیل) نہیں ہوسکتے۔

جواب نمبر ۴: روایتِ قیامِ ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل سے مروی ہے حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما اُن سے اَخذ (حاصل) فرمایا کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُس کی مخالف روایتِ صحیحہ (مستند حدیث) موجود ہے اور یہ اَظہَر مِن الشّمس (سورج سے بھی زیادہ واضح) ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بنی اسرائیل سے اَخذِ روایت نہ فرمایا کرتے تھے تو یہ یقیناً حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سے مَسموع (براہِ راست سنی ہوئی) ہوا۔

قَالَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ: فَلَمَّا فَرَغَ إِبْرَاهِيمُ مِنْ بِنَائِهِ الخ، فَبَعَثَ اللَّهُ جِبْرِيلَ فَحَجَّ بِهِ، حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ، فَقَالَ: قَدْ عَرَفْتُ وَكَانَ قَدْ أَتَاهَا مَرَّةً قَبْلَ ذَلِكَ، فَلِذَلِكَ سُمِّيَتْ عَرَفَةَ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ، عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ: احْصِبْ، فَحَصَبَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، ثُمَّ الْيَوْمُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ، فَسَدَّ مَا بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ، يَعْنِي إِبْلِيسَ الْمَلْعُونَ، فَلِذَلِكَ كَانَ رَمْيُ الْجِمَارِ، قَالَ: اعْلُ عَلَى ثَبِيرٍ، فَعَلَاهُ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: يَا عَبَادَ اللَّهِ، أَجِيبُوا اللَّهَ يَا عِبَادَ اللَّهِ، أَطِيعُوا اللَّهَ، فَسَمِعَ دَعْوَتَهُ مَا بَيْنَ الْأَبْحُرِ السَّبْعِ

یعنی مشکل کشاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بنائے کعبہ (تعمیر کعبہ) سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا (بھیجا)، اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حج کیا یہاں تک کہ جب عرفہ (عرفات کی جگہ کو) دیکھا تو فرمایا: میں نے پہچانا اور وہ اِس سے پہلے ایک دفعہ عرفہ میں تشریف لائے تھے اور اِسی لئے عرفہ کا نام عرفہ رکھا گیا جب قربانی کا دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان آیا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اِسے کنکریاں ماریئے حضرت خلیل اللہ. علیہ السلام نے سات (۰۷) کنکریاں ماریں پھر دوسرے تیسرے روز بھی یہی ہوا اِسی لئے رَمیِ جِمار ہوئی۔ اُس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: اِس پہاڑ شبیرہ پر تشریف لے جائیں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اُس پر تشریف لے گئے اور ندا فرمائی کہ اے اللہ کے بندو اللہ کی دعوت قبول کرو اور اُس کی بندگی بجالاوٴ، اُس ندا کو سات (۰۷) سمندروں تک سب نے سنا:

روی عبدالرزاق وغیرہ عن ابن جریج قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: قَالَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ: فَلَمَّا فَرَغَ إِبْرَاهِيمُ مِنْ بِنَائِهَا الخ[40]

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزدلفہ کے پہاڑ شبیرہ پر اعلان حج فرمایا۔

---

[40] (المصنف - عبد الرزاق، كتاب المناسك، باب بنيان الكعبة، 300/5، الحديث9423، دار التأصيل، الطبعة: الثانية، 1437 هـ 2013م)

جواب نمبر ۵: خود حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مختلف روایتیں مروی ہیں کسی میں ہے کہ مقام پر اعلانِ حج فرمایا، کسی میں ہے کہ جبل ابو قبیس پر، بعض روایات میں صفا پر، تو ایک روایتِ معتبرہ صحیحہ (مستند اور صحیح حدیث) مرویہ عن الرسول علیہ السلام (جو کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے) کے ہوتے چند آثار مختلفہ مُضطَربہ (مختلف اور غیر مستحکم روایات) سے ایک اَثر (ضعیف یا متزلزل روایت) لے کر اُس سے استدلال کسی عاقل (سمجھدار شخص) کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلانِ حج مسجد الحرام شریف کے باہر مقامِ ابراہیم پر پکارا گیا۔ ازرقی نے اِس روایت کی تخریج ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ ابنِ سلام سے میں نے پوچھا اُس نشان سے جو مقام میں ہے اُنہوں نے کہا: جب امر فرمایا اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ اعلانِ حج فرمادیں لوگوں میں، تو وہ کھڑے ہوئے مقام پر پھر جب فارغ ہوئے تو اُنہوں نے حکم کیا متعلقِ مقام پس وہ رکھ دیا گیا جانبِ قبلہ تو اُس کی جانب نماز پڑھتے تھے سامنے دروازہ کے۔

سوال: مساجد محل ذکر اللہ اور عبادات کی جگہ ہیں عام اِس سے کہ اذان ہو یا نماز پس اذان مساجد میں مکروہ نہ ہو گی؟

جواب: ہم اوپر بتا چکے ہیں اذان ہرگز خالص ذکرِ الٰہی نہیں۔ "بنایہ امام عینی" میں ہے:

"فَإِنْ قُلْتَ: الأَذَانُ ذِكْرٌ، فَكَيْفَ يَقُولُ إِنَّهُ شَبِيهُ الذِّكْرِ، وَشَبِيهُ الشَّيْءِ غَيْرُهُ؟ قُلْتُ لَكَ: هُوَ لَيْسَ بِذِكْرٍ خَالِصٍ عَلَى مَا لَا يَخْفَى، وَإِنَّمَا أُطْلِقَ اسْمُ الذِّكْرِ عَلَيْهِ بِاعْتِبَارِ أَنَّ أَكْثَرَ أَلْفَاظِهِ ذِكْرٌ." [41]

ایسی ہی اکثر کُتُبِ فقہ معتبرہ "بحر الرائق" وغیرہ میں ہے اذان کی ممانعت مسجد میں، ممانعت رَفعِ صَوت بالذّکر فی المسجد ہے نہ منع الذّکر۔ کیا جس شخص نے ایک وقت ایک جگہ ایک جلسہ میں چند اشخاص کو قرآنِ عظیم بالجہر پڑھنے کو منع کیا وہ مانع عن ذکر اللہ اور اُن وعیدوں کا مستحق ہے؟ کیا اُس کا یہ فعل منع الذّکر ٹھہرے گا؟ کیا منعِ قرأت بالجہر سرے سے منع قرآت ہو گا؟

بریں عقل و دانش باید گریست (یعنی اُس کے لیے عقل و دانش ضروری ہے، اگر نہیں تو۔)

سوال: "غنیہ شرح منیہ" میں ہے کہ "فَمَا كَانَ فِيهِ نَوْعُ عِبَادَةٍ، وَلَيْسَ فِيهِ إِهَانَةٌ وَلَا تَلْوِيثٌ، لَا يُكْرَهُ، وَإِلَّا كُرِهَ" [42]

یعنی جس فعل میں کسی نَوع (قسم) کی عبادت ہو اور اُس میں مسجد کی اِہانت (بے حرمتی) اور تلوِیث (ناپاکی یا گندگی) نہ ہو تو وہ فعل مکروہ نہ ہو گا ورنہ مکروہ ہو گا؟

جواب: چونکہ عُرف میں دربار کے اندر حاضری پکارنا (بلند آواز میں کسی کو بلانا) دربار کی بے ادبی ہے پس اِس امر امتہان (آزمائش کے معاملے) کے عارض (پیش) ہونے کی وجہ سے "غنیہ" کی اِس عبارت سے اذان کی مسجد میں ممانعت صاف ظاہر ہے کہ اذان میں رَفعِ صَوت (بلند اواز) ضروری اور مسجد میں رَفعِ صَوت (بلند اواز) مکروہ ہے بلکہ رَفعِ صَوت بالذکر الخالص (محض ذکر میں بلند آواز) بھی مسجد میں مکروہ ہے، "كَمَا فِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ، وَرَدِّ الْمُحْتَارِ، وَالْأَشْبَاهِ، وَغَيْرِهَا مِنْ مُعْتَمَدَاتِ الْأَصْفِيَاءِ" اور اذان تو ذکرِ خالص بھی نہیں، كَمَا صَرَّحَ بِهِ الإِمَامُ الْعَيْنِيُّ فِي "الْبِنَايَةِ" شَرْحِ "الْهِدَايَةِ" تو اُس میں رَفعِ صَوت بدرجہ اولی مکروہ ٹھہرا۔

---

[41] (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب الأذان، أذان الجنب، 111/2، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1420ھ 2000م)

[42] (الحلبي الكبير المسمى (غنية المتملي في شرح منية المصلي لمحمد الكاشغري)، سنن الصلاة، فصل في أحكام المسجد، 550/2، دار الكتب العلمية بيروت – لبنان، 2020م)

مزید توضیح: رَفعِ صَوت یابذکر ہو گا یابغیر ذکر یاایسے کلمات سے جو ذکرِ خالص نہیں یہ تین صورتیں ہیں۔ پہلی دو صورتیں ہیں یااُس ذکر میں رَفعِ صَوت محمود مطلوب شَرع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو حسبِ ضرورت رَفع (بلند) کیا جائے گا ضرورت سے زیادہ رَفع(بلند) کرنا مکروہ ہو گا جیسا کہ عبارتِ در مختار "أَمَّا مَا تَعَارَفُوهُ فِي زَمَانِنَا فَلَا يَبْعُدُ أَنَّهُ مُفْسِدٌ. إِذْ الصِّيَاحُ مُلْحَقٌ بِالْكَلَامِ "[43] میں ظاہر اور مُقتضائے عقل(عقل کا تقاضا) بھی یہی ہے۔ اور اُس میں تو رَفعِ صَوت کا ممنوع و مکروہ ہونا ظاہر ہے۔ دوسری کا بھی ناجائز اور مکروہ ہوناخود روشن۔ تیسری بعض وہ جو خالص نہی اُس کا بھی مسجد میں رَفع جائز نہیں بلکہ جہاں رَفعِ صَوت مطلوبِ شَرعی ہے وہاں بھی ضرورت سے زائد مکروہ ہے، تووہ ذکر جس کی صورت ذکر ہے اور حقیقت شرعًاو عُرفاًہر طرح اعلام ہے ہر گز ذکرِ خالص نہیں اُس کامسجد میں بلند آواز سے ہونا کیونکر مکروہ نہ ہو گا، ہر شخص جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں ذراسی عقل جس کے منہ پر آنکھ اور کان ہیں وہ سمجھتا دیکھتا سنتاہے کہ اذان در حقیقت اعلام ہے شَرع میں اُسے اعلام فرمایا۔ عُرف اُسے اعلام جانتاہے ہر گز ذکرِ خالص نہیں مانتا تو اُس کا مسجد بمعنے مَوضَع صلوٰۃ جس کی بناء(تعمیر) ذکرِ خالص اللہ عزوجل کیلئے ہے اُس میں ہونا اور بلند آواز سے ہونا کیوں مکروہ نہ ہو گا۔ فقہاء کی تصریحات(واضح بیان کردہ احکام) موجود اور حدیث سے محل اذان کا پتہ معلوم ومشہود(واضح)، عُرف میں اعلام کا بلند جگہ اور دربار سے باہر ہوناہی معروف اور حاضری کا بَر سَر دربار(دربار میں بلند آواز سے) پکارنا عُرفاًسخت قابلِ سرزنش(معاشرتی لحاظ سے شدید مذمت کے لائق) اور نہایت معیوب(بہت ناپسندیدہ) ہے، تو فقہ وحدیث وعُرف سب کو پسِ پُشت ڈالنا اور وہ عبارتیں جو خود اپنے مُدّعا کارد کررہی ہیں، نقل کرلانا اور یہ کہہ دینا کہ اذان کامسجد میں یعنی اُس جگہ جو نماز کیلئے موضوع ہے ہونا جائز ہے اور اذان کا جو ذکرِ خالص نہیں اذکار خالصہ خطبہ و قراءت وغیرہ پر قیاس کرنا جیسا کچھ ہے ہر عقلمند پر ظاہر ہے اقامت اعلام(اعلان) حاضرین کیلئے ہے۔

عقلی دلیل: اذان اعلام غائبین کیلئے ہے اعلام حاضرین بر سَر دربار ہی ہوتا ہے وہ دربار سے باہر نکل کر اگر کوئی کرے تو احمق سمجھا جائے اور اذان اعلام غائبین ہے یعنی حاضری پکارنا اگر ایسا اعلام خود دربار میں کوئی کھڑے ہو کر کرے مجرم سمجھا جائے، الفاظ ایک سے(ایک جیسے) دیکھ کر اگر کوئی اُس اعلام کو جو دربار سے باہر کرنے کا تھااُس اعلام کی طرح جو دربار کے اندر کرنے کا ہے دربار کے اندر اُسے کرے یا اُس کا کرنا جائز جانے ہر سمجھ والے کے نزدیک مجرم و بدتمیز ٹھہرے گا۔

امام احمد رضا مُحدّث بریلوی قُدّس سِرّہ اور ایک ضدّی کا واقعہ: جیسے ہمارے دور میں ہمیں بارہا خود سنّی ائمہ اور لیکن علوم سے بے بہرہ(علم وفہم سے محروم) حضرات سے پالا پڑتا ہے یوں ہی امام احمد رضا مُحدّث بریلوی سے ایک ضدی سنی کے ساتھ ہوا خود لکھتے ہیں کہ ۱۳۰۲ھ میں فقیر (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) بہ نیّتِ خاک بوسی آستانہ عالیہ حضرت سلطان الاولیا محبوبِ الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ عنہ بریلی سے شدّ الرحال(سفر اختیار) کرکے حاضر بارگاہِ غیاث پور شریف ہوا تھا، دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جاناہوا اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسبِ عادت کہ جو اَمر خلافِ شَرع (شریعت کے خلاف معاملہ) مَظہر(ظاہر) پایا، مسئلہ گزارش(عرض) کر دیا، اگرچہ اُن صاحب سے اصلاً تعارُف نہ ہوا اُن مؤذّن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ کہا: "کہاں لکھاہے؟" میں نے قاضی خان، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لیے۔ کہا ہم اُن کی نہیں مانتے۔ فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین(غیر مقلدین کے گروہ) سے ہیں۔ گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا: احکم الحاکمین

---

[43] (حاشية ابن عابدين = رد المحتار ,كتاب الصلاة, باب الإمامة, 589/1, شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر, الطبعة: الثانية 1386 هـ = 1966 م)

جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع و اعلیٰ (نہایت بلند و برتر) ہے آپ اُنہیں کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مُدّعی، مُدّعا علیہ، گواہوں کی حاضری کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا: "باہر" کہا: اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہریگا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب اُن کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کر لیا۔ **فکر ہر کس بقدر ہمت اوست الحمد للہ عزوجل**[44]

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ ۴۷۳، جلد ۳، مطبوعہ کراچی (باب المدینہ)

لطیفہ: ایک دفعہ فقیر اُویسی غُفرلہٗ کے ساتھ ایک ضِدّی امام مسجد کا واقعہ ہوا اور وہ فقیر کو خوب جانتا تھا، جماعت کی اقامت ہوئی تو امام مسجد صاحب مصلّے پر تشریف لائے، تو آستینیں چڑھی ہوئی تھی فقیر نے کہا آستینیں کھول دیں ورنہ نماز مکروہ ہو گی، ذرا غصّہ کر کے آستینیں سیدھی کر لیں، پھر میں نے دیکھا کہ حضرت کے سینے کے بٹن کھلے ہوئے ہیں، فقیر نے کہا حضرت بٹن بھی بند فرمائیں تا کہ سینہ کھلا رہنے سے نماز مکروہ نہ ہو۔ جل کر بولے کہ سِرے سے قمیض اُتار نہ پھینکوں۔ میں نے کہا آپ کو کون روکتا ہے آپ چادر بھی اُتار پھینکیں تا کہ آپ کے مقتدیوں کو آپ کے زرّین اَعضاء (سنہری و نورانی اعضا) کی بھی زیارت ہو جائے۔ نماز کی فراغت کے بعد مسجد کے مُتولّی نے اُس امام صاحب کو ڈانٹا پھر بعد میں شاید اُسے امامت سے بھی ہٹا دیا تھا۔ اِس سے میرا مقصد یہ ہے کہ آئمہ مساجد کو پہلے تو خود مسائلِ فقہ خوب ذہن نشین فرما لینا چاہئیے ورنہ کوئی مسائل سے آگاہ کرے تو اُس سے ناراض بھی نہ ہونا چاہیے اِس میں اُس کی اپنی بھلائی بھی ہے اور مقتدیوں کی نماز بھی صحیح طور پر ہو گی۔

چیلنج: کوئی صاحب کیا کسی حدیث یا معتمد کتابِ فقہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اذانِ ثانی جمعہ اعلان غائبین کے لئے نہیں بلکہ اعلام حاضرین کے لئے ہے اور عَجب (تعجب کی بات) کہ حاضرین کے لئے اعلام پر اعلام کی حاجت ہو اور غائبین کے لئے صرف ایک اعلان کافی ہو۔

فائدہ: حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو اعلام عمائدین (اہم شخصیات) کے لئے اُس اذانِ جمعہ سے پہلے ایک اذان اور زائد فرمائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مُدّعا اُس سے یہ تھا کہ ایک اعلام لوگوں کی کثرت کی بنا پر شاید کافی نہ ہو تو اِس لئے ایک اذان زوراء (مرکزی جگہ پر) پر اور زائد فرمائی کہ زوراء کے قریب قریب کے لوگ اُس اذان سے اطلاع پائیں اور مسجد شریف کے لوگ اُس اذان سے جو وقتِ خطبہ عہدِ سرکارِ رسالت ﷺ سے یہ اعلام غائبین کے لئے تھی۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اذانِ خطبہ عہدِ پاک میں غائبین کے لئے رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُسے اعلامِ غائبین ہی جانیں اُسے اُس کے محل پر رکھیں پھر وہ کون ایسا ہے جو اذانِ خطبہ کی حقیقت باطل کر کے جس لئے وہ شرعاً مَوضوع تھی اُس سے بَرکَراں (لاتعلقی کا اظہار) کر کے اُسے ایک دوسری حقیقت پہنا دیں۔

سوال: اذانِ خطبہ مثلِ اقامت ہے یہ سب کو مُسلّم ہے کہ زمانۂ اقدس ﷺ میں صرف ایک ہی اذان تھی اور وہ اذانِ خطبہ تھی جو اب اذانِ ثانی جمعہ کے نام سے مشہور ہے؟

جواب: صاف ظاہر ہے کہ زمانۂ اقدس ﷺ میں اعلامِ غائبین (غیر موجود افراد کو اطلاع دینے) کے واسطے یہی اذانِ خطبہ تھی، کیونکہ اگر اِس اذانِ خطبہ کو اعلامِ حاضِرین (موجود افراد کو اطلاع دینے) کے واسطے مِثلِ اِقامَت (اقامت کی طرح) مانا جائے گا، جیسا کہ سوال میں درج ہے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ جُمعہ کے دن جُمعہ کی نماز کے

44) (فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی، 8/500 تا 506، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واسطے زمانۂ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں اعلامِ عالَمین (تمام لوگوں کو اطلاع دینا) مفقود تھا، اور یہ نہ مانے گا مگر وہ جِس کی حدیث وفقہ پر نَظر نہیں۔ ہم **ہِدایہ**، **کِنایہ**، **تَبیین**، **عِنایہ**، **بَحر**، **دُرِّمُختار** وَغیرہا (دیگر کتب) کے حوالے سے پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ جُمعہ کی اذانِ ثانی غائبین کی اطلاع کو ہے، لہٰذا خُطبہ کے وقت دوبارہ کہنا مفید (فائدہ مند) ہے، تاکہ شاید پہلی اذانِ ثانی بھی کسی غائِب (غیر موجود) نے نہ سُنی ہو تو اب سُن لیں گے، پس کُتُبِ فقہ کی اِس صَراحت (واضح بیان) کے ہوتے ہوئے اذانِ خطبہ کو اعلامِ حاضِرین کے واسطے مِثلِ اقامت بتانا بلکہ بے سُود (بے فائدہ) ہے۔

سوال: اَحادیث میں لَفظ "عِندَہٗ" اور "بَیْنَ یَدَیْهِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اذانِ خطبہ مسجد کے اندر، خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلے پر ہو، جَیسا کہ رَواج ہو گیا ہے کہ اذانِ خطبہ کا خَطیب کے سامنے، یا مِنبَر کے سامنے، یا اِمام و مِنبَر کے قَریب ہونا ایک اَمرِ مُتَوارَث (نسل در نسل چلی آنے والی روایت) ہے۔

جواب: آیتِ قرآنیہ، کَلِماتِ عُلماء، تَصریحاتِ فِقہ اور مُحاوَراتِ عَرَب سے ثابت ہو چکا ہے کہ "بَیْنَ یَدَیْهِ" اور "عِندَ" کا مطلب محض اِتِصال (مُلاصِق ہونا) ہی سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اِن کا مفہوم مُحاذات (مقابل ہونا) اور حضور (سامنے ہونا) بھی ہے، خواہ اِتِصال (مُلاصِق ہونا) ہو یا اِنفِصال (جُدا ہونا)، اور اِسی وِجہ سے یہ لَفظ قَریب (نزدیک) اور بَعید (دُور) دونوں معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے۔ پس "بَیْنَ یَدَيِ الْخَطِیْبِ" اور "عِنْدَ الْمِنْبَر" کے صِرف یہی معنی ہوئے کہ وہ خطیب کے مُحاذِی (مقابل) یا مِنبَر کے مُحاذِی ہو، اِن اَلفاظ سے مُتَّصِلُ الخَطیب (خطیب سے مُلاصِق) سمجھ لینا کیونکر صَحیح ہو سکتا ہے، جب کہ **سُنَنِ اَبُو دَاوٗد شریف** کی حدیث میں "عَلٰی بَابِ المَسجِد" (مسجد کے دروازے پر) کے اَلفاظ مَوجود ہیں، جو اِس قِسم کے معنی سمجھنے کا صَریح (واضح) رَد (تَردید) کرتے ہیں۔

عِلاوہ ازیں "بَیْنَ یَدَيِ الْخَطِیْبِ" اور "عِنْدَ الْمِنْبَر" وغیرہ لَفظ ہرگز ہرگز مَحَلِّ اذان (اذان کی جگہ) کو بَیان نہیں کرتے، بلکہ مُؤَذِّن کی سِمت (جہت) مُعَیَّن کرتے ہیں کہ وہ خطیب کے سامنے، یعنی اُس کے مُحاذ میں، مِنبَر کے مُقابِل ہو، دائیں، بائیں یا پیچھے نہ ہو۔

تحقیق انیق: "بَیْنَ یَدَيِ" اور "عِندَ" کے معنی مسجد کے اندر، کسی لُغَت میں نہیں، اور جب ایسا نہیں ہے تو بِلا شُبہ اِس قِسم کے غَلَط معنی اور مَراد بتانے سے اِتِباعِ شَرع (شریعت کی پیروی) اور رِضائے حَق (اللہ کی رضا) حاصل نہیں ہو سکتی، جو مُسلِمان کو مَقصُود و مَطلُوب (مطلوبہ ہدف) ہے۔

مُسلِمانو! ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ "بَیْنَ یَدَیْهِ" اور "عِندَ" سے یہ مَراد لینا کہ اذانِ خُطبہ مِنبَر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلے پر ہو، جیسا کہ رَواج ہو گیا ہے اور جِسے اَمرِ مُتَوارَث (نسل در نسل چلی آنے والی روایت) بتایا جاتا ہے، مَحض غَلَط ہے۔ مِنبَر سے مُتَّصِل (ملحق) ہو یا مُنفَصِل (جُدا)، "بَیْنَ یَدَیْهِ" اور "عِندَ" دونوں پر صادِق (دُرُست) آتا ہے، کیونکہ اِن کا مَفَاد "مُحاذات" (مُقابل ہونا) اور "حُضور" (سامنے ہونا) ہے، نہ کہ قُرب (نزدیکی) اور بُعد (دُوری)۔ مگر چونکہ فُقَہاءِ کِرَام نے مَسجِد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے، اور ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ مَسجِد کے اندر اذان دینا دربارِ خُداوندی کی بے اَدَبی ہے، اور **سُنَنِ اَبُو دَاوٗد شریف** کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اذانِ خُطبہ دروازے پر ہوتی تھی، پس اذانِ خُطبہ فِنَاءِ مَسجِد (مَسجِد کے صحن) میں، خَطیب کے مُحاذِی (مُقابل) ہو، خواہ دَروازہ ہو یا کوئی اور جگہ۔ اب ہماری اِس روشَن تَقرِیر کو پڑھ کر مُنصِف (عدل پسند) شخص اِس نتیجے پر پہنچے گا کہ "بَیْنَ یَدَیْهِ" اور "عِندَ" کے جو مَعانی اَہلِ حَق نے بیان کیے ہیں، وہ بالکُل صَحیح اور دُرُست ہیں، اور اِن کا اَلفاظ و تَرجَمَہ "مِنبَر کے نَزدِیک" یا "اِمام و مِنبَر کے قَرِیب" کرنا، کہ ہاتھ یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو، وہ بَاطِلِ مَحض (بالکل غلط) ہے۔ اب جو لوگ اِمام سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلے پر، مَوضَعِ صَلٰوۃ (نماز کی جگہ) میں، خَطیب کے سامنے اذانِ خُطبہ کہتے ہیں، وہ "بَیْنَ یَدَیْهِ" کی تَعمیل (مطابقت) تو کرتے ہیں، مگر "لَا یُؤَذَّنُ فِي الْمَسْجِدِ" (مسجد میں اذان نہ دی جائے) کے حُکم سے عدُول (اِنحِراف) کرتے ہیں۔

ہاں! اگر اذانِ خُطبہ فِنَاءِ مَسجِد (مسجد کے صحن) میں، خَطیب کے مُقابل کی جائے، تو "بَيْنَ يَدَيْهِ" اور "لَا يُؤَذَّنُ فِي الْمَسْجِدِ" دونوں کی تَعمیل (مطابقت) ہو جائے گی۔

سوال: تمہاری پیش کردہ عبارت "اَبُو دَاؤُد" کی "عَلٰى بَابِ المَسجِد" سے کب ثابت ہوتا ہے کہ اذانِ خطبہ خارجِ مسجد (مسجد سے باہر) ہو؟ بلکہ اِس سے بھی ہمارا مدعَا (دلیل، مقصود) ثابت ہوتا ہے، کیونکہ "عَلٰى" بمعنی "عِندَ" آتا ہے، پس وہاں بھی "عَلٰى" بمعنی "عِندَ" ہے۔

جواب نمبر ۱: "عَلٰى" بمعنی "عِندَ" مَجاز (غیر حقیقی معنی) ہے، اور بمعنی "لزُوم" حَقِیقَت (اصل معنی) ہے۔

اُصُولُ الإمام شمسُ الأئمہ پھر کشفُ الإمام البُخاريّ میں ہے:

"اَمَّا عَلٰى فَلَا اِلزَامَ بِاعْتِبَارِ أَصْلِ الوَضْعِ تحريرُ الإمام ابنِ الهُمَام" اور "تقريرُ الإمام ابنِ أَمِيرِ الحَاج" میں مذکور ہے: "وَهُوَ أَيْ اللُّزُومُ هُوَ المَعْنَى الحَقِيقِي" رَضِي شَرْحُ كَافِيَة میں ہے: "مِنه سرَى عَلَى اسمِ اللهِ تَعَالىٰ أَيْ مُلزِماً" اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: "فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ" (القصص: 25) (پھر ان میں سے ایک آئی، شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی) أَيْ مُلَازِمَةً لِلْحَيَاءِ (یعنی شرم وحیا سے لازم وملزوم ہو کر)۔

اور شک نہیں کہ یہ اذان اگرچہ باہر ہے، لیکن ہمیشہ لازم ومُلَازِمِ منبر ہے، تو "عَلٰى" اپنے معنائے حقیقی پر ہے۔

جواب نمبر ۲: کیا "علی" بمعنی مُصاحبت (ساتھ ہونا، رفاقت) نہیں؟ "اتقان للسیوطی" میں ہے:

"عَلَى حَرْفُ جَرٍّ لَهُ مَعَانٍ: ثَانِيهَا: لِلْمُصَاحَبَةِ كَمَعَ. نَحْوَ: {وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ} أَيْ مَعَ حُبِّهِ. {وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ}." [45]

حدیث میں ہے: "زَكَاةُ الفِطر «عَلَى كُلِّ حُرٍّ وَعبدٍ صاعٌ»" (یعنی ہر آزاد اور غلام پر زکاۃ فطر لازم ہے)۔

"نهايه" میں ہے: "وَقِيلَ: «عَلَى» بِمَعْنَى مَعَ." (یعنی بعض اوقات "علی" کا معنی "مع" یعنی "ساتھ" ہوتا ہے) لأَنّ العبْدَ لَا تَجِب عَلَيْهِ الفِطْرَة. (کیونکہ غلام پر فطرہ واجب نہیں ہوتا) وإِنّما تجب عَلَى سَيِّده. [46] (بلکہ یہ اس کے مالک پر واجب ہوتا ہے)۔

"قاموس" میں ہے: "وَلِلْمُصَاحَبَةِ كَمَعَ. وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ." [47] جمل على جلالين تحت قوله تعالىٰ "تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ" [48] میں ہے: "عَلٰى بِمَعْنَى مَعَ. أَيْ: مَعَ اسْتِحْيَاءٍ" (یعنی "علی" کا مطلب "مع" یعنی "ساتھ" ہے، یعنی "وہ حیا کے ساتھ چلتی آئی")۔ کیا اِس اذان اور منبر کا رفاقت (ساتھ ہونا) نہیں؟ کیا دونوں کا وقت متحد (ایک ساتھ) نہیں؟

---

45) (الإتقان في علوم القرآن. النوع الأربعون: في معرفة معاني الأدوات التي يحتاج إليها المفسر. 2/237إلى238. الهيئة المصرية العامة للكتاب. الطبعة: 1394هـ/ 1974م)

46) (النهاية في غريب الحديث والأثر. حرف العين. باب العين مع الميم. 3/296. المكتبة العلمية بيروت. 1399هـ 1979م)

47) (القاموس. فصل العين. 2/377. المطبعة الكستلية. 1864م)

48) القصص: 25 **ترجمہ:** شرم سے چلتی ہوئی آئی

جواب نمبر ۳: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ"[49] اتقان اور فتوحات میں ہے: "أَيْ فِي زَمَنِ مُلْكِهِ."[50] (یعنی اس کی بادشاہت کے زمانے میں)، مدارک شریف میں ہے: "أَيْ: عَلَىٰ عَهْدِ مُلْكِهِ, وَفِي زَمَانِهِ۔"[51] (یعنی اس کی سلطنت کے عہد اور زمانے میں)۔ تو یوں ہی "علی المنبر" یعنی بوقت منبر (منبر کے وقت) کیا ممکن نہیں؟ بفرضِ باطل "علیٰ منبر" کا ترجمہ وہی مان لیا جائے جو مخالف (مخالفین کا دعویٰ) کہتا ہے کہ "منبر پر" تو کیا اذان اور خطبہ خطیب کی چھاتی سے چھاتی ملا کر (بہت قریب ہو کر) کہی جائے؟ علاوہ اِس کے "علی المنبر" سے مراد "عند المنبر" لی جائے جب بھی ہمارے لیے تو کیا مُضِر (کیا نقصان دہ) ہے؟ یہ "عند المنبر" صرف پتہ (علامت، نشانی) ہے اور ائمہ (فقہائے کرام) کا ارشاد "لا يُؤَذنُ فِي الْمَسْجِدِ (مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی)" صریح (واضح، دوٹوک) حکم ہے۔ اعتبار (اہمیت، حیثیت) حکم (شرعی فیصلے) کا ہے، نہ کہ پتہ (محض علامت، نشانی) کا۔

شرح صحیح مسلم میں اور علامہ طاہر نے مجمع بحارِ انوار میں فرمایا: "إِنَّ ٱلْعَلَامَةَ تَكُونُ بِحَرَامٍ وَمُبَاحٍ"[52] علامت جائز اور ناجائز دونوں طرح کی باتوں سے دیا جاتا ہے۔ کسی مجمع (اجتماع، محفل) میں اگر بادشاہ اور اُمراء (حکمران اور وزراء) جمع ہوں اور کوئی ناواقف (غیر جاننے والا) کسی عالم سے پوچھے: "ان میں بادشاہ کون، جس کی اطاعت فرض ہے؟" تو عالم فرمادے: "وہ، جس کے سر پر سونے کا تاج ہے"۔ اب الٹا وہ حکم کر رہا ہے کہ "اُسے سونا پہننا جائز ہے"۔ علماء (فقہائے کرام) حکم بتاچکے (واضح کر چکے) ہیں کہ "مسجد میں اذان ممنوع (ناجائز) ہے"، پھر بھی علامت (ظاہری نشانیاں) کچھ بھی ہو۔

سوال: اذانِ خطبہ کا مسجد کے اندر ایک زمانہ دراز (طویل مدت) اور صدہا سال (کئی سو سال) سے قرناً بعد قرنٍ (نسل در نسل) شرقاً و غرباً (دنیا کے مشرقی و مغربی علاقوں) میں تمام بلادِ اسلامیہ (تمام اسلامی ممالک) میں ہو رہی ہے، تو کیا یہ سراسر غلط (مکمل طور پر غلط) ہے؟

جواب: بتایئے، کیا م ُعترِض صاحب (اعتراض کرنے والا) تمام بلادِ اسلامیہ (اسلامی ممالک) میں چکر لگا آئے ہیں، یا یہ کہ مُعترِض نے صرف اپنی چار دیواری کو بلادِ اسلامیہ (اسلامی ممالک) خیال فرمار کھا ہے؟ غالباً مُعترِض مالکیہ (فقہِ مالک کے پیروکار) کے مذہب سے بے خبر ہیں۔ اُن کے نزدیک اذانِ خطبہ کا خطیب (خطبہ دینے والا) کے مُواجہ (سامنے) میں ہونا ہی بدعت و خلافِ سنت (سنت کے خلاف) ہے۔ اُن کی کُتُبِ مذہب (فقہی کتابیں) اِن تصریحات (واضح بیانات) سے گونج رہی ہیں کہ اذانِ خطبہ کا بھی منارہ (مینار) پر ہونا سنّت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ) ہے۔

ملکِ مغرب (مراکش، الجزائر، تیونس اور اندلس وغیرہ) میں، کہ اکثر مکان (رہائشی علاقے) اسی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد (پیروکار) ہیں، آج تک اذانِ خطبہ بیرونِ مسجد (مسجد کے باہر) منارہ پر ہوتی ہے۔ علامہ اسکندری مالکی، پھر علامہ یوسف بن سعید سفطی مالکی حاشیۂ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں:

---

49) البقرة:102 **ترجمہ:** اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنتِ سلیمان کے زمانہ میں

50) (الإتقان في علوم القرآن، النوع الأربعون: في معرفة معاني الأدوات التي يحتاج إليها المفسر، 238/2، الهيئة المصرية العامة للكتاب، الطبعة: 1394 هـ/ 1974 م)

(الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين للدقائق الخفية، سورة البقرة/ الأيتان: 101إلي 102، 127/1، دار الكتب العلمية۔بيروت، 2018م)

51) (تفسير النسفي = مدارك التنزيل وحقائق التأويل، سورة البقرة: 102، 115/1، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة: الأولى، 1419 هـ 1998 م)

52) (مجمع بحار الأنوار، باب الامرك، 293/1، منشى نول كشور)

(صحيح مسلم بشرح النووي، كتاب الزكاة، باب اعطاء المؤلفة ومن يخاف على ايمانه ان لم يعط، 7/، 167، الطبعة المصرية بالأزهر، الطبعة الأولي: 1347هـ/1929م)

"اَلْأَذَانُ اَلثَّانِي كَانَ عَلَى اَلْمِنَارِ فِي اَلزَّمَنِ اَلْقَدِيمِ ، وَعَلَيْهِ أَهْلُ اَلْمَغْرِبِ إِلَى اَلْآنِ ، وَفِعْلُهُ بَيْنَ يَدَيِ اَلْإِمَامِ مَكْرُوهٌ كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ اَلْبَرْزُلِيُّ ، وَقَدْ نَهَى عَنْهُ مَالِكٌ ."[53]

اذان زمانہ سلف(قدیم زمانے) میں منارہ پر ہوتی تھی، اور اہلِ مغرب(مالکی پیروکار) آج تک اِسی روش(طریقہ) پر ہیں، اور اس کا امام کے سامنے کہنا مکروہ ہے، جیسا کہ امام برزلی نے تصریح کی ہے، اور بے شک امام مالک نے اُس کی ممانعت فرمائی۔

معلوم ہوا کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اذانِ خطبہ مسجد کے اندر نہیں ہوتی ہے۔ تمام بلادِ اسلامیہ میں گھوم آنا تو بڑی بات ہے، اگر صرف پاکستان میں دورہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفیوں(فقہِ حنفی کے پیروکاروں) کی سینکڑوں مساجد میں یہ اذانِ خطبہ دروازۂ مسجد(مسجد کے دروازے) پر، بیرونِ مسجد(مسجد کے باہر) ہوتی ہے۔ مُعترِض کا یہ فرمانا کہ "فقہاء و علماء جائز سمجھتے چلے آئے"، اسی طرح بے بنیاد(بغیر دلیل کے) ہے۔ فقہاءِ کرام کے ارشادات(بیانات) سن چکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ(ناپسندیدہ) ہے، "مسجد میں اذان نہ کہو"۔ پھر نہ معلوم وہ کون سے فقہاء و علماء ہیں جو مسجد کے اندر جائز سمجھتے چلے آئے ہیں؟

نیز یہ لکھنا کہ "اگر یہ فعل مذموم(ناپسندیدہ) اور بدعت ہوتا تو متقدمین(پہلے زمانے کے فقہاء) و متأخرین(بعد کے فقہاء) فقہاءِ احناف(فقہِ حنفی کے ماہرین) ہر گز اس پر سکوت(خاموشی) نہ فرماتے"، وہی "مرغے کی ایک ٹانگ" والا مضمون ہے۔ فقہاءِ کرام تو "حَيَّ عَلَى الْإِعْلَانِ ، لَا يُؤَذَّنُ فِي الْمَسْجِدِ" (اذان بلند آواز میں دو، لیکن مسجد میں نہ دو) فرمائیں، اور مُعترِض اُن پر سکوت فرمانے کا الزام لگائیں۔ العَجَب ثُمّ العَجَب(بہت زیادہ حیرانی) اُن کی تصریحات کو دیکھتے ہوئے فقہاء کی نسبت یہ فرمانا کہ "اُن کی حقانیت(سچائی) و حق گوئی(سچ بولنے) کی شان اُس کو مقتضی(تقاضا) تھی کہ تصریح فرماتے کہ اذان کا مسجد میں جو طریقہ رائج(عام) ہو رہا ہے، وہ مکروہ اور بدعت ہے"، روزِ روشن میں آفتاب(سورج) کے وجود سے انکار ہے۔

سوال: اذانِ اول(پہلی اذان)، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حادث(شروع) ہوئی تھی، وہ زوراء(مدینہ میں ایک معروف جگہ) یا منارہ پر ہوتی رہی ہے، اور جو اذانِ ثانی(دوسری اذان) عند الخطبہ(خطبہ کے وقت) ہوتی تھی، وہ خطیب(خطبہ دینے والے) کے سامنے ہوتی تھی۔ محلِ غور و تامل(سوچنے اور غور کرنے کی جگہ) یہ امر ہے کہ ان دونوں کا اختلافِ محل(جگہ کا فرق) کیوں ہوا؟ جب ہر ایک اذان کے لیے خارج از مسجد(مسجد کے باہر) ہونا ضروری ہے، تو جس طرح اذانِ اول زوراء یا منارہ پر خارج از مسجد دی گئی، اِسی طرح دوسری اذان بھی اسی جگہ منارہ پر خارج از مسجد دی جاتی۔

جواب: اذانِ اول، جو زوراء پر اضافہ(زیادہ) کی گئی تھی، وہ تو اِس لیے تھی کہ زوراء کے قریب قریب کے لوگ اُس اذان سے اطلاع پائیں۔ پس وہ مقام زوراء پر کہی گئی اذانِ خطبہ کے لیے خطیب کے مُحاذات(سامنے ہونے) و حضور(موجودگی) میں ہونا ہمارے نزدیک سنّت(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ) ہے۔ پھر بھلا یہ اذان زوراء یا منارہ پر کیونکر(کیسے) ہو سکتی تھی؟ اور اگر ایسا کیا جاتا تو محاذاتِ خطیب(خطیب کے سامنے ہونا) کیسے رہتا؟ ہمارے نزدیک اذانِ خطبہ تو فِنائے مسجد(مسجد کے صحن) میں صرف اُس جگہ پر ہو سکتی ہے، جہاں سے مؤذن اور خطیب کی مُحاذات(سیدھ میں ہونا) رہے۔ ہاں، جو اِس کے قائل(ماننے والے) ہیں کہ امام کے محاذ میں اذان(یعنی خطیب کے سامنے اذان دینا) خلافِ سنّت(سنت کے خلاف) ہے، یعنی مالکیہ(فقہِ مالک کے پیروکار)، تو وہ اس اذان کو بھی منارہ ہی پر مسجد کے باہر دلواتے ہیں۔

---

53) (فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، مسئلہ 1347، 8/409 تا 412، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہمارے اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ہر اذان، عام ہو یا اذانِ خطبہ ہو یا پنج وقتہ اذان (پانچ وقت کی اذان)، مسجد کے اندر دینا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔ خارجِ مسجد (مسجد سے باہر) کے یہ معنی سمجھنا کہ "حدودِ مسجد سے باہر شہر کے اندر کہیں بھی ہو"، فقہِ حنفی (حنفی قانون) سے بے خبر ہونے کی دلیل ہے۔

سوال: جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے، تو اذانِ خطبہ (جمعہ کے خطبے کی اذان) محاذات (سامنے ہونے) میں دی جائے، اور خطبہ ختم ہوتے ہی تکبیر (نماز کے لیے اقامت) کہی جائے، اور یہی متوارث (نسل در نسل چلی آنے والی سنت) ہے، اِس کا کس کو انکار ہے؟

جواب: ہم کب کہتے ہیں کہ اذانِ خطبہ (جمعہ کے خطبے کی اذان) خطیب کے دائیں بائیں یا پیچھے ہو۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خطیب کے مقابل (سامنے) ہو۔ کلام (بحث) تو اِس میں ہے کہ یہ اذانِ خطبہ، جو ہمارے اور آپ کے اتفاق (مشترکہ رائے) سے امام کے سامنے (یعنی خطیب کے سامنے) یعنی مواجہ (روبرو) میں ہوتی ہے، آیا مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر، یعنی موضعِ صلاۃ (نماز کی مخصوص جگہ) سے باہر؟ اس اندر اور باہر کی بحث کا فیصلہ تو فقہاءِ کرام کے ارشادات سے ہوتا ہے، جو علی الاعلان (کھلے الفاظ میں) فرما رہے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

توضیحِ مزید: وقایہ میں ہے کہ دوسری اذان (جو خطبہ سے پہلے دی جاتی ہے) منبر کے سامنے (یعنی خطیب کے روبرو) ہو، جبکہ پہلی اذان منارے (مسجد کے مینار) پر دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقت سے آج تک چلا آرہا ہے۔ وہ تو صراحتاً (صاف الفاظ میں) اذانِ خطبہ کو اذانِ منارہ (یعنی منارے پر دی جانے والی اذان) کے بعد ہونے کو زمانۂ ذی النورین (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور) سے بتا رہے ہیں، کیونکہ زمانۂ رسالت (نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا دور) اور زمانۂ شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور) میں اذانِ خطبہ سے پہلے کوئی اذان نہیں تھی۔ اِس سے پہلے اذانِ جمعہ حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زائد (مزید اضافہ کے طور پر) فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری اور دیگر کُتب میں اِس کی صَراحت موجود ہے۔ پس اذانِ خطبہ کا اذانِ منارہ کے بعد ہونا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقت سے چلا آرہا ہے۔

عینی (حدیث کی مشہور شرح) میں ہے: "وَلَمْ يَكُنْ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَّا هٰذَا الْأَذَانُ أَيْ: الْأَذَانُ الَّذِي يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ"

یعنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں فقط یہی اذان منبر کے سامنے والی تھی۔

دیکھو! وہ تو صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ اذانِ خطبہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانہ مبارک ہی سے محاذی منبر ہے۔

امام بدر الدین عینی اِس کے چار ہی سطور بعد فرماتے ہیں:

"ٱلْأَذَانُ ٱلْأَصْلُ ٱلَّذِي كَانَ عَلَىٰ عَهْدِ ٱلنَّبِيِّ صَلَّى ٱللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَيْنَ يَدَيِ ٱلْمِنْبَرِ"[54]

یعنی اصل اذان وہی ہے جو زمانہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم میں منبر کے آگے دی جاتی تھی۔

سوال: یہ اذانِ ثانی عند الخطبہ (خطبے کے وقت) اُس کا مسجد میں ہونا امام کے سامنے، عرباً عجماً (عرب و عجم میں) زمانۂ اقدس (نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا مبارک زمانہ) اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سے اگر پیچھے بھی ہوا ہو خواہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہو یا اُس کے بعد ہوا ہو یہ امر مُتوَارث (نسل در نسل چلا آنے والا عمل) ہے جو بلا نکیر (بغیر کسی انکار کے) ہوتا چلا آیا ہے فقہائے متقدمین اور متاخرین (پہلے اور بعد کے زمانے کے فقہاء) میں سے کسی نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں اِس پر انکار نہ فرمایا۔

---

54) البناية في شرح الهداية. 106/3. دار الفكر. بيروت۔لبنان)

جواب: یہ ایک ہی کہی یوں ہر گناہ جائز و مُباح ہو گا (کہ ہر گناہ کو جائز اور حلال سمجھا جائے گا) سوائے اُن مَعدُودِ چِنْد کے جن کے نام لے کر تَحرِیم فرمائی گئی۔ کیا کوئی تَعزِیَہ دار تَعزِیَہ داری کو سُنَّت کہہ کر یہ تَقرِیر پیش کرے گا کہ تَعزِیَہ داری عَرَبًا عَجمًا (عرب و عجم میں) زَمانۂ اَقدَس اور خُلَفَاءِ رَاشِدِین اور اَہلِ بَیتِ اَطْھَار سے اگر پیچھے بھی ہو اَمر مُتَوَارَث ہے جو بِلَا نَکِیر (بغیر کسی انکار کے) چلا آیا ہے کسی نے اِس پر انکار نہ فرمایا؟ اور جو ایسا فعل ہو گا بَشَرطِیکہ کسی نَصِّ صَرِیح کے مخالف نہ ہو مُتَوَارَث ہو گا اور مَکرُوہ وبِدعَت وضَلَالَت نہ ہو گا (اور وہ نہ تو مکروہ ہو گا، نہ بدعت، نہ گمراہی)۔ اور اگر اُس سے یہ کہا جائے کہ "كُلُّ لَهْوٍ وَلَعِبٍ حَرَامٌ" اِس پر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اِس کُلّی قَاعِدہ (اس عمومی اصول) سے ہماری تَعزِیَہ داری مستثنیٰ ہے جیسے "لَا يُؤْذَن" سے مُعتَرِض صاحب کے نَزدِیک اذانِ خطبہ کیونکر کہیں تَعزِیَہ داری کا نام لے کر تَحرِیم وارد نہیں ہے اگر "كُلَّ لَهْوٍ وَلَعِبٍ" کے زیرِ حُکم تَعزِیَہ داری کو مُعترِض صاحب داخل کریں گے تو "لَا يُؤْذَن" کے زیرِ حُکم ہر اذان، پنجْوقت ہو یا اذانِ خطبہ، (ممنوع) ماننا پڑے گا۔

وِقَایَہ میں ہے، علامہ خَیرُ رَمْلِی نے ایک جائزبات پر تَوَارُث سے اِستِدلَال کیا اور مُعترِض صاحب ایک نَاجَائِز کو تَوَارُث سے سُنَّت کیا چاہتے ہیں یوں تو مسجد میں دُنیا کی باتوں کا رواج اِس سے بہت زَائِد ہے جب مَسْئَلَہ شَرعِیَّہ مُقَرَّر ہو چکا کہ اذان مسجد میں مَمْنُوع ہے اور سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تک کے عُلَمَاء یُوں ہی لکھتے آئے تو مَسْئَلَہ کے خلاف رواج پکڑنا کیسا؟ اگر رواج ہی پر جائز و ناجائز کا مدار ہے تو مُعترِض صاحب کے نَزدِیک تَعزِیَہ داری بھی جائز ہوئی کہ ہِندُوستَان و پَاکِستَان جیسے ملکوں میں مدت سے ہے اور دُنیا بھر کے ملکوں میں ہونا کچھ ضَرُور نہیں کہ سارے جَہَان میں اذان جُوق کہاں ہے؟

مُخَالِفِین کی مَنْطِق بھی عَجِیب ہے کہ مِیلَاد اور قِیَام جو تمام دُنیا میں رَائِج ہے مگر اُن کے نزدیک نَاجَائِز اگر چہ تمام عُلَمَاءِ کِرَام اِس کو مَحْمُود و مُسْتَحْسَن لکھتے چلے آئے اور اذانِ خطبہ مسجد میں تمام فُقَہاء کے نَزدِیک نَاجَائِز مگر اُن کے نَزدِیک تَوَارُث کی بِنَاء پر سُنَّت۔

سوال: ابو داؤد شریف کی روایت علی بابِ المسجد کا مطلب وہ ہے جو کہ فقہائے احناف نے علی بابِ المسجد کے معنیٰ فوق بابِ المسجد اختیار کیا ہے کہ دروازہ کے اوپر چڑھنے سے اونچی جگہ حاصل ہو جائے گی اِس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ مُعترِض صاحب کے نزدیک علی بابِ المسجد کے یہ معنیٰ ہوئے کہ دروازے کے اوپر چڑھ کے۔

جواب: علی الباب کا ترجمہ تو اتنا ہے کہ دروازے پر یہ دروازے کے اوپر چڑھ کے، کا ہے (کس) کا ترجمہ ہے؟ کیا حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ "صَاعِدًا فَوْقَ الْبَابِ" کیا آپ کو معلوم نہیں کہ "علی" حرف ہے اور اُوپر اسم کہ ترجمہ "فوق" کا ہے نہ "علی" کا، کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کو اوپر کے لئے "کے" لانا پڑا کہ علامتِ اضافت ہے مُضاف اسم ہوتا ہے یا حرف، بھلا پر کا تو کے اوپر بنا، یہ چڑھ کے کا ہے کا ترجمہ ہے کیا "علی یؤذن" کے متعلق نہ تھا "صاعدا" محذوف ماننا پڑا، ہاں یہ تو فرمائیے کہ سنن ابی داؤد کی حدیث میں جو "علی باب المسجد" آیا ہے اُس کے معنیٰ "فوق باب المسجد" فقہ کی کس کتاب میں اختیار کئے گئے ہیں؟ فقہاءِ کرام کی شان تو اَرفع و اعلیٰ ہے، کوئی معمولی سا لکھا پڑھا شخص بھی "علی باب المسجد" سے دروازے کے اوپر چڑھ کے نہیں اختیار کر سکتا کیونکہ جب دروازہ کے اُوپر چڑھ کر اذان پکارنا مانا گیا تو "بین یدیه" یعنی منبرِ اطہر (نبی اکرم ﷺ کے مبارک منبر) کی محاذات (برابری) کب رہی، جب کہ دروازۂ المسجدِ اقدس (مسجدِ نبوی کے مبارک دروازے) کی بلندی، مساحت (پیمائش) کے لحاظ سے سات (۰۷) گز تھی۔ "علی باب المسجد" کے جو معنیٰ آپ اختیار کر رہے ہیں اُس کی تردید تو "بین یدیه" سے ہی ہو جاتی ہے کسی اور دلیل کی ضرورت نہ تھی، مگر پھر بھی ہم نے علی کی پوری بحث پہلے لکھ دی ہے جو ایک منصف کے واسطے کافی ووافی ہے اور نامنصف کے واسطے دفتر کے دفتر بے کار ہیں، غرض یہ کہ "یؤذن علی باب المسجد" کے یہی معنیٰ ہیں کہ مسجد کے دروازے

پر یعنی دروازہ کی فضا میں دروازہ کی زمین پر اذان ہوتی تھی اور چونکہ دروازہ مسجد ہمیشہ مسجد کے اطلاق اول کی بناء پر خارجِ مسجد ہے پس ہمارا یہ دعویٰ کہ یہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی بالکل صحیح و درست ہے کیونکہ اتنا ہی اذان خارج مسجد کو درکار ہے اور یہ حدیث شریف سے ثابت ہے بفرضِ باطل اگر دروازے پر چڑھ کر ہی اذانِ خطبہ کا ہونا مان لیا جائے تو یہ فرمایئے کہ آپ کو کیونکر مفید ہے، آپ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ یہ اذان عین مسجد میں ہو جو خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج پڑ گیا ہے، مگر ہر وہ اذان جو دروازہ مسجد پر چڑھ کر دی جائے گی مسجد کے اطلاق اول کی بناء پر خارجِ مسجد رہے گی۔ جامع المضمرات پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے کہ

"وَالَّذِي يَبِيعُ وَيَشْتَرِي فِي الْمَسْجِدِ أَوْ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ إِثْمًا وَأَثْقَلُ وِزْرًا"[55]

یعنی وہ کہ اذانِ جمعہ کے خرید و فروخت مسجد میں کرے یا مسجد کے دروازے پر کرے اُس کا گناہ اور سخت ہے۔ دیکھئے "على باب المسجد" کو " في المسجد" سے علیحدہ کیا، اگر "باب المسجد " بھی عین مسجد ہوتا تو "باب المسجد" اور " في المسجد" کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کیا حاجت تھی غور کیجئے اگر " على باب المسجد" کے معنی دروازے کے اوپر چڑھ کر ہیں تو کیا اِس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر چڑھ کر خرید و فروخت بڑا گناہ ہے۔

سوال: روایت جس میں " على باب المسجد" کی زیادتی مروی ہے محمد بن اسحاق نے شہاب زہری سے روایت کی ہے، سو (لیکن) محمد بن اسحاق متکلم فیہ (ایسا راوی ہے جس پر محدثین نے کلام کیا ہے)، کیونکہ وہ مُدلَّس (ایسا راوی ہے جو بعض اوقات واسطہ چھپالیتا ہے) ہے۔

جواب: جمہور ائمہ (اکثر محدثین) کے نزدیک مُدلَّس (تدلیس کرنے والے راوی) کا عنعنہ (اگر وہ "عن" کہہ کر روایت کرے) مقبول (قابلِ قبول) ہے، اور ہمارے ائمہ کے نزدیک اُسے سند متّصل (مسلسل سند) مانا جاتا ہے۔ نیز امام بخاری اور دیگر پندرہ (۱۵) ائمہ کی شہادت سے یہ ثابت ہے کہ اذانِ جمعہ دروازۂ مسجد پر ہونے کی حدیث "حسن" (معتبر درجے کی) ہے اور شرعی حجت (قابلِ استدلال) ہے۔ غرض یہ کہ یہ صفحات مدینہ طیبہ کے جلیل القدر امام، محمد بن اسحاق کی توثیق (ثقاہت کے ثبوت) سے لبریز ہیں، نیز اصل حدیث "مسند" میں ابن اسحاق سے بسندِ صحیح تصریح بالسماع (صحیح سند کے ساتھ سماع کی صراحت) کے ساتھ موجود ہے۔ تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن اسحاق مدلس ہیں، تب بھی اس الزامِ تدلیس (تدلیس کے اعتراض) سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ انہوں نے تصریح بالسماع (براہِ راست سننے کی وضاحت) کر دی ہے۔ اور یہ معترض صاحب کو بھی مُسلّم (تسلیم شدہ) ہے کہ اگر مدلس تصریح بالسماع کر دے تو اُس کی روایت مقبول (قابلِ قبول) قرار پاتی ہے علامہ حلبی شرح منیه میں لکھتے ہیں: "وَقَالَ ابْنُ خُزَيْمَةَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى الذَّهْلِيَّ"[56]

یعنی ابنِ خزیمہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کو کہتے سنا کہ عبد اللہ بن زید کی روایتوں میں اذان کے قصّہ کے متعلق اِس سے زیادہ صحیح کوئی روایت نہیں اور ابن اسحٰق کی روایت ثابت ہے صحیح ہے، اس لئے کہ محمد بن عبد اللہ نے اُسے اپنے والد سے اور محمد بن اسحاق نے اُس کو محمد بن ابراہیم تیمی سے سنا ہے اور یہ اُن روایتوں میں سے نہیں جن میں اِبن اسحٰق نے تدلیس کی کیسی صاف روشن تصریح ہے کیسا اِس عبارت نے اِس حدیث کو پایۂ ثبوت پر پہنچایا۔

---

55) (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، السعي وترك البيع بالأذان الأول للجمعة، 169/2، دار الكتاب الإسلامي)

(جامع المضمرات في شرح مختصر الإمام القدوري، القسم الثاني: النص المحقق تتمة كتاب الصلاة، 145/2، دار الكتب العلمية- بيروت، 2018م)

56) (غنية المتملي في شرح منية المصلي المشتهر بشرح الكبير، ص371، عارف آفندي، 1907م)

سوال: سائب بن یزید جن کی روایت کو فقہاءِ احناف اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں چنانچہ امام شمس الائمہ سرخسی نے "مبسوط" میں اور صاحب فتح القدیر اور عینی نے "شرح ہدایہ" میں سائب بن یزید کی روایت کو نقل فرمایا ہے لیکن کسی نے اُن میں سے اِس روایت کو اختیار نہیں فرمایا جس میں لفظ "علی باب المسجد" کی زیادتی مروی ہے۔

جواب: زہری سے اِس حدیث کے اور راویوں نے نہ "علی باب المسجد" کا لفظ روایت کیا ہے نہ "بین یدیہ" کا لفظ۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف رکھتے اُس وقت اذان دی جاتی، نہ جگہ بتائی کہ دروازہ پر، نہ سمت بتائی کہ حضور پُر نور ﷺ کے مقابل۔ تو ہر صاحبِ ایمان یہ کہتا کہ "بین یدیہ" اور "علی المسجد" دونوں لفظوں کی زیادتی سوائے اِبنِ اسحٰق کے کسی نے روایت نہیں کی۔ اِبنِ اسحٰق کی روایت میں "بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" کی زیادتی کو صحیح ماننا ہی لازمی ہے ورنہ مذہبِ حنفی کو خیر باد کہنا پڑے گا، گو اِن دونوں لفظوں کو غیر قابلِ اعتماد ماننے سے مالکیہ کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خطیب کے سامنے اذانِ خطبہ کا ہونا بدعت و خلافِ سنّت ہے بلکہ اور اذانوں کی طرح منارہ پر ہو پھر حنفی ہو کر اِبن اسحٰق کے دامن ہی کے نیچے پناہ لینا پڑے گی بغیر اِس کے "بین یدیہ" بھی رفو چکر ہوا جاتا ہے۔

سوال: وہ وزیادہ حَسبِ قاعدہ مُسلّمہ اَحناف شاذ ہوئی اور ہر گز قابلِ قبول اعتبار نہ ہو گی۔

جواب: بالکل غلط، بے بنیاد ہے کیونکہ عُلماء ہزار ہزار تصریحیں فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا، یہ اُس کے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس اَمر سے ساکت ہیں یہ اُس کا افادہ کرے۔

جواہر انتھی، جلد ۱، صفحہ ۱۱۱، "تَرْكُ بَعْضِ الرُّوَاةِ لَا يُعَارِضُ زِيَادَةَ غَيْرِهِ" ایضا صفحہ ۱۰۶ "ذِكْرُ مُقَدَّمٌ عَلَى تَرْكِهِ. مَنْ تَرَكَ صَحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا" جملہ کُتُبِ حدیث میں صدہا ہزار ہا حدیثیں وہ ملیں گی جن میں بعض رُواۃ(راویوں) نے کوئی بات زائد کی ہے کہ اوروں نے بیان نہ کی تو کیا وہ سب شاذ و منکر ہو کر صحت سے ساقِط ہو جائیں گی؟ یہ صحیحین پر کُھلّی چوٹ ہے یہ بکثرت ملے گا کہ ائمۂ محدّثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں: "حَدَّثَنَا فُلَانٌ، وَفُلَانٌ، عَنْ فُلَانٍ. يَزِيدُ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"[57] یہ حدیث ہم سے اِتنے شُیوخ نے بیان کیا اور اُن میں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی جو اُس نے نہ کہی تھی اُس نے وہ بڑھائی جو اُس نے نہ بتائی تھی، امام محدّث سب کی زیادتیں جمع کر کے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو مُعترض کے نزدیک متخالفوں کو جمع کر لیتا ہے۔

عقلی دلیل: کسی ذی عقل سے پوچھئے کہ چھ (۰۶) آدمی کہیں کہ فلاں شخص گھوڑے پر سوار تھا اور ایک کہے کہ وہ سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا، تو کیا کوئی عاقل اُس کے بیان اُن بیانوں کے مخالف سمجھ سکتا ہے؟ ویسے مُعترض کو "خلاف" اور "زیادہ" میں فرق نہیں آتا۔ "خلاف" یہ ہے کہ وہ بات کہے جو اوروں کی بات کی مُعارض ہو اور "زیادہ" یہ ہے کہ وہ امر زائد بیان کرے جس سے اور ساکت ہیں "خلاف" مردود ہے اور "زیادہ" مقبول۔ شاذ وہ ہے جو روایتِ ثِقات کے خلاف روایت ہو، اگر ثقہ سے مروی ہے تو مردود ہے اور اگر ثقہ سے ہے تو اُس کا مدار ترجیح پر ہے، ملاحظہ ہو مولانا عبد الحق محدث دہلوی کا "مقدمہ مشکوۃ"۔ نہ یہ کہ ہر زیادہ عام ازیں کہ وہ مخالف روایتِ ثقات ہو یا نہ ہو اشاذ ہو۔ کیا اِبن اسحاق نے جو "زیادہ" کی ہے وہ مخالفِ روایتِ ثقات

[57] (فتاوی رضویہ، کتاب الشتی، الشمامۃ الاولی من عنبر الحدیث، 28/93 تا99، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہے؟ کیا اور روایت میں "عَنْ جَوْفِ الْمَسْجِدِ" اور اُس میں "عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ" ہے؟ بھلا کہاں شاذ اور کہاں زیادہ؟ کہاں اسود ابن یزید کی روایت کہاں ابن اسحاق کی یہ زیادہ؟ زمین آسمان کا فرق، وہ مخالفِ روایتِ ثقات تھی نامقبول ٹھہری، یہ کون سی روایت کے مخالف ہے جو مردود ہو۔

الاذان علی باب المسجد کے متعلق مزید توثیق: امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جن کا لقب امام الائمہ ہے اپنی "صحیح" میں اِس روایت "عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ" کے دوسرے راوی ہیں امام جلیل ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی "معجم کبیر" میں اِس کے تیسرے راوی ہیں علاوہ اِس کے عُلماءِ کرام کے ارشادات سنیئے:۔

(۱) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے:

"كَانَ إِذَا جَلَسَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ بِلَالٌ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، وَكَذَا عَلَى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)"[58]

یعنی رسول اللہ ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ عنہ دروازۂ مسجد پر اذان کہتے اور اِسی طرح ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔

(۲) کشاف میں ہے:

وَقَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ، فَكَانَ إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَإِذَا نَزَلَ أَقَامَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ كَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَى ذَلِكَ[59]

یعنی رسول اللہ ﷺ کے مؤذن ایک تھے، جب حضور ﷺ منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ مؤذن دروازۂ مسجد پر اذان دیتے یہی رَوِش(طریقہ) صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تھی۔

(۳) اِسی طرح علامہ نیشاپوری میں ہے، تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

فَكَانَ لَهُ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ، إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ إِلَى آخِرِهِ، ثُمَّ كَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ بِالْكُوفَةِ عَلَى ذَلِكَ[60]

یعنی رسول اللہ ﷺ کے مؤذن ایک تھے، جب حضور ﷺ منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ موذن دروازۂ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق و فاروق اور کوفہ میں مولا علی کے یہاں یہی طریقہ رہا۔ رضی اللہ عنہم۔

(۴) کشف الغمہ میں امام شعرانی قُدِّس سِرّہ ربّانی زمانۂ اقدس ﷺ اور زمانۂ شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت فرماتے ہیں:

---

58) (تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، سورة الجمعة:9إلي 10، 542/30، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة 1420 هـ)

59) (تفسير الكشاف ومعه الانتصاف ومشاهد الإنصاف والكافي الشاف، سورة الجمعة:9إلي 10، 532/4، دار الريان للتراث بالقاهرة دار الكتاب العربي ببيروت، الطبعة: الثالثة 1407 هـ 1987 م)

60) (تفسير الواحدي النيسابوري الوسيط في تفسير القرآن المجيد، سورة الجمعة:9إلي 11، 296/4، دار الكتب العلمية، بيروت، 1994م)

(تفسير الخطيب الشربيني (السراج المنير)، سورة الجمعة:9إلي 11، 305/4، دار الكتب العلمية، بيروت، 2017م)

(الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين للدقائق الخفية، سورة الجمعة:7إلي 9، 7/8، دار الكتب العلمية، بيروت، 2018م)

"وکان الاذان علی باب المسجد"[61] یعنی اُن پاک زمانوں میں اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

سوال: مُجیب کا اِس روایت سے کراہت (ناپسندیدگی) پر اِستدلال کرنا اِس اَمر (بات) پر موقوف (منحصر) ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ عموماً جو فعل جنابِ رسولُ اللہ ﷺ سے ثابت ہوا ہے، اُس کا خلاف مکروہِ تحریمی (سخت ناپسندیدہ) ہے۔

جواب: کیا خوب! اِس سے کراہت پر استدلال ہی کب ہے؟ اِس سے تو صرف اثباتِ سنّت (سنّت کا ثابت کرنا) مقصود ہے۔ کراہت پر استدلال تو "لَا يُؤَذَنُ فِي الْمَسْجِدِ" اور "يُكْرَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ" وغیرہ سے ہے، اور جب فقہاء کراہت کو مطلق (عام) رکھتے ہیں تو کراہتِ تحریم ہی مراد ہوتی ہے۔ نیز مُعترِض صاحب (اعتراض کرنے والے) کو معلوم نہیں کہ ہر سنّتِ اصلیہ (اصل سنّت) کا خلاف مکروہِ تحریمی ہے، اور اذان کا خارجِ مسجد (مسجد سے باہر) ہونا سنّتِ اصلیہ ہے، لہٰذا اِس کا خلاف بھی مکروہِ تحریمی ہے۔ یہ کہنا کہ سنّت کی مخالفت مگر وہ تنزیہی کی دلیل ہوتی ہے، محض غلط ہے۔ ہر سنّت کی مخالفت، عام ازیں (خواہ) کہ وہ سنّتِ اصلیہ ہو یا غیر اصلیہ، مکروہِ تنزیہی نہیں۔ اگر ہر سنّت کی مخالفت کو مکروہِ تنزیہی مانا جائے گا تو پھر حدیث "مَنْ تَرَكَ سُنَّتِي لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِي"[62] وامثالہا (اور اس جیسی احادیث) وعیدات (سخت وعیدیں) کا ہے (کس) پر محمول ہوں گی؟

رہی یہ بات کہ یہ سنّتِ اصلیہ ہے، اِس کی دلیل وہی ممانعتِ فقہاءِ کرام ہے کہ اگر اذان کا خارجِ مسجد (مسجد سے باہر) ہونا سنّتِ اصلیہ نہ ہوتا تو یوں اہتمامِ ممانعت (ممانعت کا اتنا اہتمام) نہ فرماتے۔ ہاں، اگر فقہاء یوں فرماتے کہ "وَالْأَذَانُ فِي جَوْفِ الْمَسْجِدِ مُخَالِفٌ لِلسُّنَّةِ"، تو صرف اِس سے کراہتِ تحریمہ نہ نکلتی، مگر جب کہ اُنہوں نے بار بار بتکرار ممانعت فرمائی تو ظاہر ہو گیا کہ خارج از مسجد (مسجد سے باہر) اذان ہونا سنّتِ نبویہ اصلیہ (نبی کریم ﷺ کی اصل سنّت) ہے۔

سوال: خود فخرِ عالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں اذان مسجد میں ہوئی ہے۔

جواب: حدیثوں میں "عَلَى الْمَسْجِدِ، عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ، عَلَى سَقْفِ الْمَسْجِدِ، سَطْحُ الْمَسْجِدِ، فَنَادَيْنَاهُ فِيهِ بِالْأَذَانِ" الفاظ ہیں، اُن سے یہ سمجھ لینا کہ زمانۂ اقدس (نبی کریم ﷺ کے مبارک دور) میں اذان فی جوف المسجد (مسجد کے اندر اذان) ہوئی، وہی ہوش پَراں والاں (حیران کُن) مضمون ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ اذان مسجد میں اُس جگہ بھی نہ ہو جو مسجد کے اطلاقِ اوّل (پہلی تعریف کے مطابق مسجد) کی بنا پر خارجِ مسجد (مسجد سے باہر) ہے، اور اطلاقِ دوم (دوسری تعریف کے مطابق مسجد) کی بنا پر مسجد ہے؟ کلام تو اِس میں ہے کہ عینِ مسجد (مسجد کے اندرونی حصے) میں اذان مکروہ ہے، اور یہی فقہاءِ کرام کی تصریحات "لَا يُؤَذَنُ فِي الْمَسْجِدِ" اور "يُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِنَ فِي الْمَسْجِدِ" کا مطلب ہے۔ پس جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ زمانۂ اقدس (نبی کریم ﷺ کے مبارک دور) میں اذان مَوْضِعِ صَلٰوۃ (نماز کی جگہ) میں ہوئی ہے، ہمیں مُضِر (نقصان دہ) نہیں۔ "فَنَادَىٰ فِيهَا بِالْأَذَانِ" سے یہ سمجھنا کہ مَوْضِعِ صَلٰوۃ (نماز کی جگہ) میں اذان ہوئی، محض غلط ہے۔ جہاں ہم نے مسجد کے دو اطلاق (مسجد کی دو تعریفیں) بیان کیے ہیں، وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ مینارہ یا فصیل (مسجد کی چار دیواری) پر جو اذان ہو، اُسے یہی کہیں گے کہ چلو، مسجد میں اذان ہوئی۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی، حالانکہ مسجد کے اطلاقِ اوّل (پہلی تعریف) کی بنا پر فصیل (چار دیواری) یا مینارہ پر جو اذان ہو گی، وہ مسجد کے باہر یعنی خارجِ مسجد کہی جائے گی۔ اور بفرضِ باطل یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پُر نور ﷺ کے زمانۂ اقدس (مبارک دور) میں اذان فی جوف المسجد (مسجد

61) (کشف الغمة عن جميع الأمة، كتاب الصلاة، فصل: في الأذان والخطبة وغيرهما، 296/4، دار الكتب العلمية، بيروت، 2016م)

62) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، 336/6، دار الكتب العلمية، سنة النشر: 1412ھ/1992م)

کے اندر اذان) ہوئی ہے، تو لازم آتا ہے (نتیجہ نکلے گا) کہ معاذ اللہ، حضور ﷺ نے ایک فعلِ مکروہ (ناپسندیدہ عمل) مسجد میں رَوا رکھا (جائز رکھا)، کہ یہ مُعترض صاحب کو تسلیم (قبول) ہے کہ فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ بتایا ہے اور ممانعت فرمائی ہے۔

سوال: اول (پہلی بات) تو جب تلاش کیا جاتا ہے کہ شریعت میں اذان فی المسجد (مسجد کے اندر اذان) کے متعلق کسی جگہ نہی (ممانعت) وارد ہوئی ہے یا نہیں، تو کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنے والی (ممانعت کو ثابت کرنے والی) دستیاب نہیں ہوتی۔

جواب: مُعترض صاحب! اِس تحریر نے تو فقہ کو بالکل شریعت ہی سے خارج کر دیا۔ فقہاءِ کرام کے ارشادات (فرامین) ملاحظہ کر چکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے، اور حدیثِ صحیح (مستند حدیث) محلِّ اذان (اذان کی جگہ) بابُ المسجد (مسجد کا دروازہ) بتا چکی، پھر شریعت میں اذان فی المسجد کے متعلق نہی (ممانعت) نہ وارد ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ کیا فقہاءِ کرام کے ارشادات خارج از شریعت (شریعت سے باہر) ہیں؟ اُوپر گزرا (بیان ہو چکا) کہ از روئے فقہِ حنفی (فقہِ حنفی کے مطابق) مسجد کے اندر اذان مکروہ اور ممنوع (منع شدہ) ہے، اور اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنے والی دستیاب نہیں ہوتی، تو کیا آپ کی اس تقریر (بیان) کا یہ خلاصہ (نتیجہ) نہ ہوا کہ فقہاءِ کرام نے کُتُبِ فقہ (فقہ کی کتابوں) میں یہ احکامِ ممانعت و کراہت (ممانعت اور ناپسندیدگی کے احکام) معاذ اللہ اپنی طرف سے تحریر فرما دیئے۔

عالمگیری اور تبیین میں ہے کہ "وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى الْمِئْذَنَةِ أَوْ خَارِجَ الْمَسْجِدِ وَلَا يُؤَذِّنَ فِي الْمَسْجِدِ "[63] یعنی مناسب ہے کہ اذان منارہ پر دیجائے جو داخلِ حدودِ مسجد ہے یا مسجد کی حدود سے بھی خارج دی جائے اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

سوال: یہ حکمِ کراہت (ناپسندیدگی کا حکم)، جو خلافِ اولیٰ (افضل طریقے کے خلاف) ہے، وہ صرف جمعہ کی اذانِ اول (جمعہ کے دن دی جانے والی پہلی اذان) اور اذانِ اوقاتِ خَمسۂ مخصوصہ (پانچ مخصوص وقتوں کی اذان) کے ساتھ مخصوص (خاص) ہے۔

جواب نمبر ۱: یہ آپ کا خیال محض غلط ہے کیونکہ ہم ثابت کر چکے کہ فقہاء نے عام ممانعت فرمائی کسی اذان کا استثناء نہ فرمایا۔

جواب نمبر ۲: بفرضِ باطل (اگر غلطی سے یہ مان بھی لیا جائے) کہ کراہت کا حکم اذانِ خمسہ (پانچ وقت کی اذان) اور اذانِ اوّلِ جمعہ (جمعے کی پہلی اذان) کے ساتھ مخصوص (خاص) ہے، تب بھی آپ کی ساری محنت رائیگاں (ضائع) گئی۔ پہلے یہ کہہ دیا کہ ہر اذان ذکرُ اللہ (اللہ کا ذکر ہونے) کی بنا پر مسجد کے اندر بلا کراہت جائز ہے، اور یہ کہ جو ذکر اللہ سے روکے وہ آیاتِ قرآنیہ کی رو سے سب سے بڑا ظالم ٹھہرتا ہے۔ سنیئے! جب آپ نے مان لیا کہ کراہت پنج وقتہ اذان کے ساتھ مخصوص ہے، تو آپ خود اپنے منہ سے آیۂ کریمہ: "وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ "[64] کی وعیدِ شدید (سخت وعید) کے مصداق (لائق) بنے، اور آپ نے خود مسجد کے اندر پنج وقتہ اذان کی ممانعت تسلیم کر کے اپنے ہی قول سے اپنے آپ کو سب سے بڑا ظالم قرار دے لیا۔ واقعی! فقہاءِ کرام کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ والعیاذُ بِاللہ!

---

[63] (الفتاوى العالمكيرية = الفتاوى الهندية. الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان. الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما. 55/1. المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر (وصَوّرتها دار الفكر بيروت وغيرها). الطبعة: الثانية. 1310 هـ)

[64] (البقرة:114) **ترجمہ:** اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لیے جانے سے۔

خلاصہ: مسجد کے اندر ہر طرح اذان مکروہِ تحریمی ہے یعنی گناہ ہے، خواہ وہ اذانِ پنج گانہ ہو یا اذانِ جمعہ، اذانِ جمعہ کے متعلق تو صدیِ رواں (موجودہ صدی) میں بعض علماءِ اہلِ سنّت اور فُضلاءِ دیوبند نے اختلاف کیا، جس کی تحقیق فقیر کے رسالہ ہذا (اسی رسالے) اور دیگر علماءِ کرام کی تصانیف میں ہے، لیکن نمازِ پنج گانہ (پانچ وقت کی نماز) کی اذان کے متعلق تو کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن افسوس کہ جب سے اسپیکروں پر اذان شروع ہوئی ہے، تو باستثناء (سوائے) چند مساجد کے اکثر مساجد میں اذانیں مسجدوں میں ہو رہی ہیں، اِس طرف کسی کو توجہ ہی نہیں۔ ہاں، درود و سلام اذان سے پہلے پڑھا جائے تو اختلاف، جنگ و جَدل (لڑائی جھگڑے) کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ حالانکہ درود و سلام قبل از اذان یا بعدِ اذان جب بھی پڑھا جائے، جائز ہے۔ اِس پر اہلِ سنّت کی طرف سے بیشمار تصانیف شائع ہو چکی ہیں، فقیر کے بھی اِس موضوع پر آٹھ (۰۸) رسائل مطبوعہ (چھپی ہوئی) و غیر مطبوعہ (غیر چھپی ہوئی) ہیں۔

لیکن چونکہ دیوبندیوں، وہابیوں کو نجدی محمد بن عبد الوہاب کے مذہب سے پیار ہے اور اذان کے وقت درود و سلام کے روکنے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں، لیکن اُنہیں مسجد میں اذان دینے کی کراہت (ناپسندیدگی) کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی اِس بدعت کا خیال کہ اسپیکر پر اذان کہنا کہ کسی حدیث سے اِس کے ثبوت کی ضرورت نہیں، جبکہ یہ بھی ایک قسم کی بدعت ہے، کیونکہ اسپیکر آگے رکھ کر آواز کو پھیلانا بدعت ہی ہے۔ بہر حال تمام حضرات سے گزارش ہے کہ مساجد سے باہر اسپیکر کا انتظام کریں۔ جہاں مسجد پر ہزاروں، لاکھوں روپیہ خرچ کیا ہے، وہاں کراہت سے بچنے کے لئے تھوڑا سا خرچہ اسپیکر کو باہر فٹ کرنے کا بھی اہتمام کریں، اور جمعہ کی اذانِ ثانی (دوسری اذان) مسجد کے دروازہ کی چوکھٹ (کنارہ) پر اذان پڑھائیں تاکہ کراہت کے ارتکاب کا گناہ نہ ہو۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ، وَآلِهٖ، وَأَصْحَابِهٖ، وَبَارَكَ، وَكَرَّمَ، وَسَلَّمَ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور۔ پاکستان

۲۳ رجب ۱۴۲۱ھ